



”مرحہ اول اللہ کر کے تم سب۔“ اس کی برداشت کی انتہا بالآخر ختم ہو گئی وہ فن کرنی باہر نکلی اور ان کے سروں پر پہنچ کے غرائی۔  
”اگر ہم سب سرگئے تو تم بھلا کیا کر دگی؟“  
رافع جھٹ سے بولا۔  
”چین کی بانسری بچاؤں گی۔“ وہ بھی تو گئی۔

بچپن Basic point یہ ہے ڈیزیز میرب اگر نہیں تو سادہ بانسری نہیں بھائی آتی تو چین کی بانسری کیسے بھاؤ گی؟ عذیر نے جیسے اہم کتا اٹھا یا تھا۔ وہ سب کچھ بھی کرنے لگے۔  
”چین اس گھر میں دبا ہونے کی ضرورت نہیں تم سے Training لینے بہر حال نہیں آؤں گی۔“ اس نے دانت نہیں کر کہا۔  
”تم نہ ہی آنا تو بہتر ہے کیونکہ میں اپنے غیر سے کو لٹ نہیں کر داتا۔“ جواب اس نے بھی رکھائی کے اگلی پکار توڑ ڈالے تھے۔

”تم۔۔۔۔۔“ میرب نے غصے سے دانت کچکپاتے پھر دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں طرف رکھے مز پر پلیٹ میں موگ بھلی کے چمکے پڑے تھے قابا ابھی ابھی وہ سب بھی کھا رہے تھے۔ میرب نے برق رفتاری سے پلیٹ اٹھائی اور آنا قانا عذیر کے سر پر الٹ دی۔  
میرب کی بچی ا۔“ وہ اس جوابی حملے کے لیے تیار نہیں تھا چلا اٹھا۔

”چلا نا بند کروڈیز عذیر! ورنہ آس پڑوس کے لوگ اکٹھے ہو کر آ جائیں گے۔“ اب چڑانے کی باری میرب کی تھی۔ اسی لیے پکار کے بولی۔  
”بھوت دیکھنے کے لیے۔“ رباح نے کھڑا لگایا۔ تو ان سب کے قہقہہ جھٹ پھاڑنے لگے۔  
”ایسا کرتے ہیں عذیر بھائی کو یہیں لاکڑ کر کے باہر نکٹ رکھ دیتے ہیں اور بھی حروف میں ”بھوت بنگلہ“ لکھ دیتے ہیں خوب کمانی ہوگی۔“ مزہ نے بھی کار خیر میں حصہ لیا۔

www.pkdigest.com

بہمن ناول





”اور تمہارے منہ پر بھی چڑی بلو سہل کے ایک طرف کارنر میں بیٹھا دیں گے تاکہ لوگ گے ہاتھوں ”جھوٹی“ کا بھی درشن کر لیں۔“ رانج نے اس کی سائولی رنگت پر چوٹ کی جسے ہر معاملے میں گھسیٹنا وہ اپنا فرض میں سمجھتا تھا۔

”تمہارے ہی اگلے میں بھی ری میں بیٹھی ڈال کے لگا دیں گے اور ہاتھ میں ڈگڈگی تمہا دیں گے تاکہ لوگ بندر کے تماشے سے بھی محروم نہ رہیں فیضیاب ہو کر ہی نکلیں۔“ وہ کون سا پیچھے رہنے والی تھی۔

”کیا بات ہے کیوں پانگوں کی طرح ہنے جا رہے ہو۔“ ندرت اندر داخل ہوئیں تو وہ سب ہی فرما خبر داری کا بلبلو بانگ مظاہرہ کرتے فوراً سے خوشتر خاموش ہو گئے۔

”اکیں..... ارے عزیز! اب تمہیں کیا ہوا ہے۔“ اس کے بالوں میں کار پر دامن میں اور ارد گرد جا بجا مونگ پھلی کے پھلنے پڑے تھے وہ حیرت سے دریافت کرنے لگیں۔

”وہ..... ممانی جان! میں یہ پھلگوں کی پلیٹ ڈسٹ بن میں بیٹھنے جا رہی تھی کہ پاؤں مر گیا اور پلیٹ عذیر کے سر پر الٹ گئی۔“ میرب نے لہجے میں حد درجہ مصومیت اور لا چاری سمو کر کہا۔ اس کے سفید جھوٹ پر عذیر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”چلو کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارے پاؤں میں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔“ وہ اب عذیر کو چھوڑ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ فکر مند سے پاؤں کی جانب دیکھنے لگیں۔

عذیر تپلا کے اٹھا اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ میرب نے بے شکل اپنی مسکراہٹ کو کنٹرول کیا۔

”نہیں..... میں ٹھیک ہوں۔“

”اور تمہارا پیپر ٹھیک ہو گیا تھا۔“ وہ یاد آنے پر پوچھنے لگیں۔

”جی بالکل اسے دن.....!“

اور یہیں سے تو لڑائی شروع ہوئی تھی۔ اس کے ہر عقرو ذرا کے ایگزٹر ہو رہے تھے۔ آج آخری پیر تھا۔ سو تھکاوٹ سے بھی برا حال تھا۔ ارادہ یہی تھا کہ گھر جائے ہی مگر تان کے سو جائے گی۔ وہ سونے کے ارادے سے ہی اپنے کمرے میں آئی تھی کہ ان چاروں نے دھوا دھول دیا۔ میرب نے جیسے تیسے کر کے نکالا نہیں کمرے سے تو انہوں نے باہر بیٹھ کر یہ وہ ہڑ بونگ چٹائی کہ اپنے کانوں پہ ٹکیر رکھنے کے باوجود اس کے کانوں کے پردے پھٹنے کے قریب ہو گئے۔ جب اس کی برداشت جواب دے گئی۔ تو وہ بھی مقابلے کے میدان میں اترتی۔

اور یہی تو وہ سب چار رہے تھے کہ استے دن کمرے میں بند رہے اس نے جو بڑھ بڑھ کے اپنا ستیاناس کر لیا ہے اب ہنس بول کے خود کو فریش کر لے۔ پھر میرب کے بغیر ان کی محفل بھی تو بے رنگ اور بے رونق ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

فیض الحسن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑے بیٹے فاروق پھر نعیم اور پھر حسنہ تھیں۔ حسنہ سب سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی تھیں۔ فاروق کی ہم سفر عاتکہ تھیں۔ ان کے چار بچے عالیہ، عنبر، ٹیکل اور رانج تھے۔ عالیہ اور عنبر شادی شدہ تھیں۔ نعیم اور ندرت کے تین بیٹے عذیر، راجہ اور مزنہ تھے۔ حسنہ ان سب کی لاڈلی پھوپھو تھیں۔ لیکن قسمت نے ان کا کوئی لاڈ نہیں اٹھایا تھا۔ شادی کے فقط چار سال بعد ہی وہ بیوہ ہو گئیں تو اپنی اکلوتی نحت جگر میرب کو لے کر بھائیوں کے پاس آ گئیں۔

حسنہ ابھی جوان تھیں۔ بڑھی نکلی اور خوبصورت تھیں۔ کئی گھرانے ابھی بھی ان کے امیدوار تھے بھائیوں نے بھی اصرار کیا کہ وہ دوسری شادی کر لیں لیکن ان کا دل تو اس طرح اجڑا

تھا کہ اب کسی اور کے لیے محاش ہی نہیں تھی۔ وقت آگے سے آگے سرکنا رہا۔ لیکن اب سب کی آپس میں محبت ٹھانی گئی۔ آج کے دور میں بھی وہ سب جو انٹ فیکل سسٹم کا حصہ تھے۔ حالانکہ بچے بڑے ہو گئے تھے۔ پھر بھی ان سب کی محبت لازوال تھی۔ عالیہ آئی تو شادی کے بعد نورنوبل جی جی تھیں جبکہ عنبر آپی ٹیکسٹ میں تھیں۔ عذیر اور رانج تو جی بھر کے بد حرام تھے جبکہ ٹیکل پھر بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھتا تھا۔ راجہ اپنے ماں باپ کی لاکھ کوششوں کے باوجود MBBS نہیں کر پائی تھی اور مزنہ بی بی تو دیسے ہی پڑھائی کے نام پر ہی بدی تھی۔ راجہ تو پھر بھی مارے باندھے M.Sc تک پہنچ ہی گئی تھی۔ جبکہ مزنہ سے تو لاسٹ تھری امیر سے سیل B.A ہی ٹیکر نہ ہو پایا تھا۔ البتہ میرب پڑھائی میں بہت تیز تھی۔ حال ہی میں B.BA کے ایگزٹر ہوئے تھے۔

میرب اپنے تخیال میں بہت خوش اور مطمئن تھی۔ اس کے دونوں ماموں اسے بے تحاشا پیار کرتے تھے۔ سب کزنز بھی بہن بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ باپ کی کمی اگرچہ اسے محسوس تو ہوتی تھی تاہم وہ اسے رب کی رضا جان کر خاموش تھی۔

☆.....☆.....☆

”واہ بھی واہ! آج تو ناشتے پر میرب بیٹا بھی موجود ہے۔“ فاروق اسے ناشتے کی ٹیکل پہ دیکھ کے خدشہ زدگی سے بولے تھے۔

”جی بڑے ماموں! کل ہی امتحان ختم ہوئے ہیں۔“ وہ بڑی سعادت سے سر جھکا کے بولی تھی۔

”پھر اے دن گرید کی امید رکھیں ہم.....؟“ چھوٹے ماموں نعیم نے بھی ٹنگٹو میں حصہ لیا۔

”انشاء اللہ!“ وہ بڑے بھرپور اعزاز میں

بولی

## اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ادبی انشاء

135/-	اردو کی آخری کتاب
200/-	خوار گندم
25/-	دنیا گول ہے
200/-	آوارہ گرد کی ڈائری
200/-	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
100/-	چلتے ہو تو چین کو چلئے
175/-	ٹھہری ٹھہری پھر اسافر
200/-	خدا شناسی کے
165/-	بستی کے اک کوپے میں
165/-	چاندنی
165/-	دل و شہ
250/-	آپ سے کیا پردہ
	ڈاکٹر مولوی عبدالحق
200/-	تو اعد اردو
60/-	انتخاب کلام میر
	ڈاکٹر سید عبداللہ
160/-	طیف نثر
120/-	طیف غزل
120/-	طیف اقبال
	لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار لاہور
	فون نمبر: 7321690-7310797



"میرب! اذھنگ سے ناشتہ کرو۔ اسنے دلوں بعد تو کوئی چیز تیار نہ ملے ملتی ہے نیچے اتر رہی ہے۔" اسنے خالی چائے سے پیٹ بھرنا دیکھ کر جسنے لوگ کے بولیں۔

"پھپھو! ایسی پیار بھری سرزنش بھی ہمیں بھی کر دیا کریں۔ صحت کے لیے بڑی مفید ہوئی ہے۔" رابع جو سدا کا بیٹا تھا۔ فوراً بول اٹھا۔

"پہلے اپنی صحت دیکھی ہے منہ لے اچھٹے کے قریب ہو گئے ہو۔" مزید بھی اسے پڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

میری صحت تمہاری عقل سے زیادہ موٹی نہیں ہے بلکہ بیوی! "حسب معمولی رابع اس کی سارنولی رنکت پہ چوٹ کرنا نہیں بھولا تھا۔

"آرام سے ناشتہ کرو۔ کیا صبح ہی صبح شروع ہو گئے ہو۔" عانتہ بیگم نے غور کر کہا اور ان کی گھوڑی میں جتنی پیغام "بڑوں کی موجودگی کا لحاظ کرو۔" ان سب نے جوابی پڑھ لیا تھا۔

"دیکھ! حیرت کا نوں آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہی تھی۔" اب وہ دھوہر سے مخاطب ہو گئیں۔

"دیکھی ہے وہ؟ گھر میں تو سب خبر خیریت ہے نا۔۔۔۔۔" وہ پوری طرح متوجہ ہوئے۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ میں نے پاکستان آنے کا کہا تو کہنے لگی۔ اسی جان! بس آپ جلدی سے نیل کی شادی کریں تو پھر میں آؤں گی۔" ان کی بات پہ سب ہی مسکراتے لب اور جی خیر لگا ہوا ہے نیل کو کہنے لگے۔

"میرے چہرے پہ کیا لگا ہے؟" سب کی نظروں کی پیش محسوس کر کے وہ بری جھجکا گیا۔

"زعفران" مذہر جھٹ سے بولا۔

"ایسا کرو ایسا کر تم لگا لو۔" وہ چپ کے بولا۔

"کیوں میں کیوں لگاؤں؟" کوئی میری شادی کی بات ہو رہی ہے۔" دوسرا جملہ غامضہ حیرت زدہ لہجے میں آدا کیا گیا تھا۔

"بھئی مجھے تو میری بات بہت پسند آئی ہے۔ واقعی اب کوئی شہر بگم ہونا چاہیے۔ نیل کی شادی والا آجیلا تو بہت ہی زبردست ہے یہ تو میرے ذہن میں آنا چاہیے تھا۔" غیم خوشنوی سے قہقہہ لگا کے بولے جس میں ان سب کی بھی کھی کھی شامل تھی۔

"چھو۔" ناموں! آج میں میرا بھی بہت دل چاہ رہا ہے کوئی تشکیش اٹھ کر نہ کرے۔" میرب نے بھی تائید کی۔ باقی سب ہی زور دھوہر سے سر ہلانے لگے۔

"کو بھئی جس کی شادی ہے وہ تو بڑے مصروف اندازنا ناشتہ تناول فرما رہے ہیں۔" رابع نے نیل کے عجیبہ انداز پہ چوٹ کی۔

"میرا خیال ہے زمین میں جتنی بھی لڑکیوں کی تصویریں ہیں۔ نیل ان میں سے کسی ایک کو Select کرنے میں مصروف ہے۔" غدر نے اپنی ہی قیاس لگا۔

"نیل! دیکھ! مشکل پیش آ رہی ہے تو میں Help کروں؟" رابع نے نہایت اکنساری سے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"خدا کے لیے میرے معصوم، بھولے بھائی! اس لڑکے کی نیت میں سے مجھے غور کی Smell آ رہی ہے۔ میرے بولتے ہوئے آپ کو اس نالائق کی گٹھا کوئی ضرورت نہیں۔" غدر نے فوراً اپنی خوب زبانی کا مظاہر کیا تھا۔

"ویسے بانی دادو لے یہ "غور" کس خوشبو کا نام ہے؟" مزید نہ نہایت دہشت کتا اٹھایا۔

"بلیک روز۔" رابع نے کھٹ سے جواب دیا۔

"بس کرو۔ تم سب تو مجھے میرا ہی لگتے ہو۔ ویسے عکسوں کو بس زبان چلائی خوب آتی ہے۔" عانتہ بیگم نے لہذا تو وہ سب ہی ایسے فرما میراداری سے ناشتہ کرنے لگے جیسے انہوں نے کچھ ناشی نہ ہو۔

"دیکھا ان خبیثوں کی ایکٹنگ کو۔۔۔۔۔" مہارت دیکھتے ہیں ان کاموں میں۔"

مت پر جان خرقہ پیش کی کسی اداوت ہو تو دیکھ خنجر لیے پھرتے ہیں اپنی آسینوں میں رباح نے نہایت عاجزانہ انداز میں شعر پڑھا۔

"نچتے کھتے لگائے تھے اس شعر کو کہنے میں۔" سب سے پہلے غدر کی زبان میں ہی چلی ہوئی تھی۔ اس پجاری نے کتنی مرتبہ زبان گھولی تھی اور غدر کی بھی۔

"اتنی ذہین تو ہے میری جی تم تو ایسے ہی پیچھے پڑ جاتے ہو۔" بالا غدر نے اس کی خلاصی کر دالی۔

اور یوں باتوں ہی باتوں میں نیل کی شادی کی بات ویران میں ہی کھن روگی جس پہ نیل نے خدا کا شکر کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

میربیں کیا ہوا ہے بن ساکھ کی بیوہ کوئی طرح بڑی اداس لگتی ہو۔" میرب کر کے میں داخل ہوئی تو رباح کا عذات کا پانچہ ارد گرد گھمراے سخت پریشان نظر آ رہی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ کوئی ٹاسک مں ہو گیا ہے؟" اسے غور اسی حالت میں دیکھ کر میرب نے دوبارہ سوال کیا۔

"کوئی ایک ادھنا ٹاپک ہوتا تو پھر بھی خیر تھی مگر یہاں تو میرے ہائیڈ کیسٹری کے بہت سارے ٹاپک مں ہو گئے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں کورگرلوں کی کچھ آٹا مشکل نہیں ہے۔ مگر اتنا صحت ہے یہ Chapter کہ میرے لیے خاک بھی نہیں پڑا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ میری فاروقی نے اس دفعہ Presentation کی میری رکھی ہے۔ اتنے چالاک ہیں تاکہ میں رسچے ہیں۔ کون سا Student زیادہ کلاسز تک کرتا ہے پھر اسی کی Presentation رکھ دیتے

ہیں پکار کے۔" رباح نوٹس فائل میں رکھتے ہوئے بٹے کے لہجے میں بولی۔

"ہر مشکل کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوتا ہے ناں۔" میرب نوٹس ایک طرف ہٹا کر بیٹھنے ہوئے بولی۔ ہاں کل تو یہ ہے کہ میں رات رات بھر جانوں اپنا خون دل دماغ سب کچھ جلاؤں جب کہیں جا کر یہ محسوس ہوتا ہے نوٹس Prepass ہوں گے۔" وہ انتہائی بٹے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"تو کوئی شارٹ کٹ اختیار کرو ناں مانی ڈیئر رباح! میرب نے جتنی بھڑکی سے کہا۔

"اب کیا Super man ہاؤں۔" وہ جمل ہی تو لگی۔

"Super man جو نہیں تلاش کرو۔"

"کیا اول فول بک رہی ہو میرے پاس کیا جادو کی انگوٹھی ہے جسے رگڑوں گی تو جن حاضر ہو جائے گا جو سر میں گواں کے گھر سے پکار کے میرے سامنے لا کر آ کر لے گا۔" رباح چپ کے بولی۔

"صحیح کہتا تھا رابع! اسکو کیسٹری مت پڑھا کیں یہ تو پہلے ہی نیم پاگل ہے بعد میں تو پوری پاگل ہو جائے گی۔" میرب تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی تو رباح اسے غور کے رہ گئی۔

"میں غور ہاں مت ڈالو۔ میں تمہیں آسان ساحل بتائی ہوں کیا تمہاری کلاس کوئی قابل ذہین اور پروفیسر کا مکتو نظر کوئی سوڈنی ہے۔" میرب اب لائن پہ آ گئی۔

"ہاں ہے۔" وہ بڑے زور دھوہر سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"کون۔۔۔؟"

"تیمور خان"

"تو بس سمجھو کہ کام ہو گیا۔" میرب نے چٹکی بجا لی۔



”کیسے؟“ راجہ نے ہولقوں کی طرح اسے دیکھا۔

”بھئی سیدھی سی بات ہے اس کے سامنے جانا دو چارواں میں رکھنا چاہیں جھکا کے، وہ اپنے کا ہاں پلو مزدوتے ہوئے شرماء کے کہنا سنے کیا آپ کے پاس سرخیم قاری کے یا تیکہ بکسٹری کے لاسٹ فور، فائو پچھڑ ہیں؟ میں پچھڑ بکھادہ بولس کے جن کی طرح ایک عیسے کے چھوڑ پورے سال کے پچھڑ لا کے تمہارے سامنے ڈھیر کر دے گا۔“ میرب نہایت مزے لے لے کر بولی۔

”تم نے اسے دیکھا نہیں ہے ناں ایسے یہ  
ساری کیوں کر رہی ہو۔ کھڑکیں ہیں وہ پورا۔۔۔۔۔  
میاں ہے کسی لڑکی کو منہ دیا جائے پورے ڈیڑھ منٹ  
کی لڑکیوں نے اس پر ڈور سے ڈال لڑکی کو قہقش کی  
ہے پر وہ بھی بڑا کامیاب ہے۔ یہوں پہ پانی نہیں  
پڑنے دیتا۔“ راجا نے منہ مسورتے ہوئے اسے  
حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

”امید پر دنیا قائم ہے تم خدائی تو کر کے  
ریکھو۔“ میرپا اپنے موقف سے ڈٹی رہی۔

”نہ پائے۔۔۔ مجھے اپنی بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”تو پھر ایسے کرنا کہ سرخیم فاروقی سے ہی عزت افزائی کرو البتہ سب کے سامنے اور پھر دروئی صورت لے کر میرے سامنے مت آنا۔“ وہ محل جہنم کے تو ہی رہ گئی۔

”چلیز کوئی اور مشورہ نہیں ہے تمہارے پاس کوئی اچھا سا آسان ساحل بتا دوں۔“ وہ بھر منت برتا رہا۔

”آسان سوال یہ ہے کہ تم سرفہم قادیانی کو  
یہی قادیانی کہو۔“ وہ بڑے یلکھنڈانہ انداز میں اس کے  
واپس لپٹتے ہوئے بولی تو راجہ نے اسے کھانچا  
اپنی نگاہوں سے گھورا۔

”وہ بتایا جان ٹائپ پرو فیسر تو آج تک اپنی بیوی کے قابو میں نہیں آئے تو میں کس کیفیت کی مہولی ہوں۔“

”تو آخری صل بھی ہے، ابی سویت کہ  
 دماغ لڑاؤ اور دن رات ایک کر کے محنت کرو۔  
 یہی شرفِ کاوشیہ ہے۔“ کلن کر کہتے ہوئے وہ  
 رخ موڑ کے لیٹ گئی جبکہ رباح نے اس کی پشت  
 کو ایک عدد گھوڑی سے نوازے کے بعد وہ پارہ  
 اپنے سامنے دھڑے نوٹس کو بڑی بے بسی سے  
 کھنکھاتا۔

☆.....☆.....☆  
 دہم بھی کچھ پڑھ لویا اس سال پھر چل  
 لینے کا ارادہ ہے۔ " مزہ جو بڑے نہاک سے فی  
 ی کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی جہاں راج کی  
 اخلاقت پہ چونگی تھا وہ ہیں اس کے ماتھے پہ بھی غل  
 گئے تھے۔ لیکن اس کے منہ لگنے کی بجائے وہ  
 بار بار اس سر کی طرف متوجہ ہوئی۔ جہاں ایک  
 ہر وہ بچن میک اپ کے جدید طریقوں سے دیکھ رہی  
 تھی۔

”کیوں فضول میں اپنا نام خالص کر رہی  
تم اگر اپنے منہ مبارک پہ دانت واہش بھی  
کرو لو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے والا کیونکہ  
ہر کون میں تیل نہیں پڑو گرام کی نوعیت سے  
گاہ ہو تی وہ اسے چھینٹنے سے باز نہیں آیا

”ہاں“۔۔۔۔۔ تمہارے جوالال دھک رہے ہیں اور گلاب چمک رہے ہیں تو سنبھال کے رکھو۔ جو نہ بولنے کا تہیہ کئے۔۔۔۔۔ بھی بھی اس کی بات سنئے بھڑک اٹھی۔

”سستیال کے حق رکھے ہوئے ہیں کسی  
روز وہ ضائع ہو کر رہا ہوں۔“ وہ مسکراہٹ  
میں دبا کر اس کے چہرے کے بدلے رنگوں کا  
نغمہ بیٹھے گا۔ حسبِ عادت اس کا پارہ ہائی ہو گیا

”تم میرے منہ نہ ہی لگا کرو تو بہتر ہے۔“  
وہ جھپٹل چیخ کرتے ہوئے تلوخ کے بولی۔

”تمہارے منہ لگ کے میں نے اپنا منہ  
خواب نہیں کرتا۔“ وہ بھی ناک چڑھا کے بولا۔  
”زیادہ غصہ فہم ہونے کی ضرورت نہیں  
ایسے بھی پرنس چارلس نہیں ہو تم۔“ وہ آنکھیں سیکیڑ  
کے چپے ہوئے لہجہ میں بولی تو راج کا قہقہہ آزاد  
ہو گیا۔

”ایک دنیا دیوانی ہے اس چہرے کا۔  
کہاں مارا نے والا تھا۔“

”ہوتے۔“ وہ نگوشت سے ناک چڑھا کے  
دو بار دھڑکی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھر اس سے پہلے کہ ان کی لڑائی مزید طویل  
پکڑتی میربہ اندر داخل ہوئی۔

”تمہیں یہاں بھی ہوتی ہو اور بڑی مال  
تمہیں ایک گھنٹے یا دو فرما رہی ہیں اگر تمہیں یاد  
ہو تو انہیں لے آؤ گے۔ تمہیں کچھ یاد ہے کہ  
میرے گھر کے قریب سے یاد ہے کہ میری گھر کی طرف  
نڑا ہے۔“

”اوہ..... مجھے تو یارو نہیں رہا“ رنہ بولے  
وہیں پھینک کے وہ سرپٹ چن کی طرف بھاگے  
جائیں۔

”تم آج آفس نہیں آئے“

”ہمیں آج ایک نئی پہلی چکی میں پتھر  
 اترنا پڑھا وہی دے کر آ رہا ہوں۔“ یو۔  
 رلیکس انداز میں ٹانگیں میز پر پھیلاتے ہو۔  
 وہ لڑا تھا۔

”جانب کرنے کا ارادہ ہے؟“  
 یاسوں سے پوچھا تم نے؟“ وہ اب چرنگ  
 بوجھے گی۔

اس نے مبالغہ آرائی کی حد تک تو گمراہی۔

آجے؟ "نیل کو سامنے بیٹھا دیکھ کر وہ خاصی حیران  
ہوا۔ "تجربہ؟" "نیل نے ہنسی سے جواب دیا۔ "کب آنا۔"

”اب تو پچیس سال ہو گئے ہیں لڑکی“

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نیل  
بھائی؟“ اسے پیشانی مسلاتے ہوئے وہ ٹھوٹیش  
زور دے لہجے میں دریافت کرنے لگی۔

جائے تو پلڑوں میں ذرا فریش ہولوں بہت  
تخلات محسوس ہو رہی ہے۔ وہ اٹھ کر بے کمرے  
کی طرف بڑھ گیا تو میزب بھی مکان میں چائے  
بنائے آئی۔

جائے لے کر جب وہ میل کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بیڑہ بیٹھا بجانے کن سوچوں میں گم تھا۔

”یہ میں چاہئے۔۔۔۔۔ میرے بھائی کے لیے۔۔۔۔۔“

اس نے کہا تو وہ سرائیڈ پر کھڑی تیسرے پر پہنچ گئی۔

اس کے چہرے پر لگا ہوا جھانکے ہوئے

کیا بات ہے جس پر جان بولی ہو؟ اس کے چہرے کے کنارے ہاتھ کا کھنکھانا کرتے ہوئے میرے بڑے بڑے اچانکیت سے پوچھا تو وہ مجھ کی سانس بھر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”B.B.A کے بعد کیا ارادے؟“  
”تمہارے؟“

”M.B.A“ کڑوں کی انشاء اللہ پھر۔۔۔  
 کیریئر کا آگے زکروں گی۔“ وہ جڑے حوے۔  
 یونی۔

۲۱ اور انٹر M.B.A سے پہلے ہی تھے







Right man آگیا تو۔۔۔؟“ ٹھیل نے بات  
ادھوری چھوڑ کے اس کے چہرے کے تاثرات کا  
جانرہ لیا۔

”میں نے بھی اس پہ سوچا نہیں بھائی!  
دیسے میرا کیونکر کرے لے سب سے اہم ہے۔“  
موضوع ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ فطری طور پر جھک گئی۔  
اس Topic پر اس کی ٹھیل بھائی سے بھی کوئی  
بات نہیں ہوئی تھی اسلئے وہ اندر ہی اندر خاصی  
حیران ہو رہی تھی۔

”بات دراصل یہ ہے میرے با۔“ اس نے  
رک کر ایک دفعہ بھر اسے دیکھا اور دوبارہ بات کا  
آغاز کیا۔ اس کے یوں تمہید باندھنے سے تھوڑا سا  
گھبرائی تھی۔

”تمہارے علم میں ہوگا کہ آج کل گھر میں  
میری شادی کی باتیں چل رہی ہیں۔ ہم سب بچپن  
سے ساتھ ہیں ایک دوسرے کی عادات سے اچھی  
طرح آگاہ ہیں۔ حارے بڑے بھی ہمیں جانتے  
ہیں اور عموں میں ہوتا ہے کہ جب گھر میں سارے  
اہم عمر ہوں تو رشتے آپس میں ہی طے کر لیے جاتے  
ہیں اور اگر کوئی آپس ہی ہو تو یہ بات کوئی بری بھی  
نہیں۔ انی نے جب مجھ سے شادی کی بات کی تو  
تمہارا اور راجہ دونوں کا نام میرے دکھا کر میں نے  
گھر بھی تم دونوں کے بارے میں اس اعزاز میں  
ٹھیک سوچا، تم دونوں میری چوٹی نہیں ہو۔ امی کا  
یہ خیال ہے کہ کل کو جسٹ پیسویہ نہ کہیں کہ گھر میں  
رشتہ موجود ہوتے ہوئے ہم باہر دیکھتے بھرنے  
ہیں۔“ وہ ایک نکلے کو رک کر میرے کا سانس بیٹے میں  
اٹکا ہوا تھا۔

”لیکن حسہ پچھو اور تم بہت اچھی  
ہو راجہ اور چکی جان بھی بہت اچھی ہیں وہ کبھی  
بھی دل میں کوئی کدورت نہیں رکھیں گی۔ میری  
ایک کلاس فیلو بھی عداوتیں اس سے کوئی لہا پڑا  
انہیں نہیں چلا ہاں اس کی سادگی اور خلوص مجھے  
بہت بھاتا تھا۔ نرا کی چار نکٹیں ہیں اور بھائی

نہیں ہے۔ وہ ایک متوسط سے بھی کم طبقے سے  
تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے میری طرف بڑھتے  
ہوئے تنگنائی تھی اور کچھ میں بھی اچھی طرح  
انکلیش نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی آج کل جاب کر رہی  
ہے میں نے امی کو اس کے متعلق بتایا تھا انہیں  
کوئی خاص اعتراض تو نہیں لیکن پھر بھی ان کا  
خیال ہی ہے کہ اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔“ وہ  
سانس لینے کو رک کر تو میرے فوراً بول اٹھی۔

”بڑی مای تو مان جائیں گی ٹھیل بھائی!  
وہ بہت نرم دل ہیں اور سچ بات تو یہ ہے کہ کبھی  
میں نے بھی اس طرح سے آپ کے متعلق نہیں  
سوچا۔ ہمیشہ آپ کو بڑے بھائی کا درجہ دیا ہے  
اور جہاں تک میرا خیال ہے راجہ بھی ایسے ہی  
سوچتی ہے اور یہی بات نرا کی تو اگر وہ اچھی  
ہو میں تو ہماری ٹھیلی میں ایڈ جسٹ ہونا ان کے  
لیے مشکل نہ ہوگا۔ باقی ہم سب تو آپ کے  
ساتھ ہیں نا۔“

”میں میرے بھٹے تم سے وہی امید  
تھی۔“ تو زسرت سے ٹھیل کا چہرہ چمک اٹھا۔  
”کیا مطلب۔۔۔۔۔ خالی خولی ٹھیکس سے  
کام نہیں چلے گا۔ ذرا محنتی سے ٹریٹ دیں اور  
شاپنگ بھی کروائیں اور میری فریڈ کی برتھ ڈے  
آ رہی ہے اس کے لیے گفٹ بھی لے کے دیں۔“  
اس نے فوراً انھیں ہاتھ پر رکھیں۔

”تم میری جیب خالی کرواؤ گی۔“ ٹھیل  
نے معصومی لہجے سے اسے گھورا۔

”گھر کر میں دل خالی نہیں کروایا۔“ وہ  
چمک کی بولی تو ٹھیل کا بلند دبانگ قہقہہ آزاد ہوا۔

☆ ☆ ☆

اور دہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ سرخیم  
ناروتی نے حسب توقع اسی کی  
Persentation رکھ دی تھی۔ اسے جتنے  
مہذب القابات یاد تھے دل ہی دل میں ان سب  
سے سر فاروتی کو فورا چکی تھی۔ لیکن مسئلہ تو یہ

کا توں برقرار تھا۔

بارہ بجائی شکل لے کر جب وہ لائبریری  
میں داخل ہوئی تو سامنے ٹھیل پر ہی اسے تیمور خان  
بیٹھا نظر آگیا۔ میرے کے الفاظ اچانک ہی اس  
کے کانوں میں گونجے تو چند سیکنڈ وہیں کھڑے  
کھڑے سوچنے کے بعد وہ دل میں ارادہ کر لی اس  
کی ٹھیل کی طرف بڑھ ہی گئی۔

”قسمت آزمائیں میں کیا خرچ ہے زیادہ  
سے زیادہ بے عزتی ہو جائے گی۔ کھاتو نہیں جائے  
گا۔“ خود کو دلاسر دیتی وہ اس کے سامنے  
جا کھڑی ہوئی۔

تیمور خان جو بڑے مہن انداز میں ٹولس  
پانے میں مصروف تھا۔ اس کے یوں سر پر  
آکھڑے ہونے کی وجہ سے ایک دم چونک کر اس  
کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بڑے احتیاط سے اس کی  
تیزی سے چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ تیمور دوبارہ  
اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی دیر تک جب  
اس کے ہاتھوں کی طرف نہ آیا تو وہ خود ہی اسے  
کہنے پر مجبور ہو گیا۔

”چھ جائیں پلیز۔“ وہ یوں فرمانبرداری  
سے فوراً پیٹھ کی جیسے کہ اسٹوڈنٹ کوئٹا کے بعد بیٹھنے  
کی اجازت ملتی ہے۔ تیمور کو ٹھیلی تو بہت آئی لیکن وہ  
کمال مہارت سے چھپا گیا۔

”آپ کو کچھ کہنا ہے؟“ وہ کافی دیر سے  
نوٹ کر رہا تھا وہ کچھ کہنے کی کوشش میں اب کھولتی  
پھر ایک دم جھٹکتی اس سے رہانہ گیا تو بالآخر پوچھ  
لی لیا۔

”جی۔ ای۔ ای۔“ راجہ نے خشک  
ہونٹوں پر زبان بھیر کر خود کو آرٹلڈ تصور کرتے  
ہوئے وہ یہاں تک آ تو تھی مگر اب کچھ ہی کہنے کا  
خود میں حوصلہ نہیں پاری تھی۔

”نہیں۔“ یو کھلا ہٹ میں اس سے  
کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ تو غالت سے سر جھکا کے وہ  
مٹی۔

اس کے جھکے ہوئے سر اور لرزتی پلکیوں کو  
اس نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ اسے کچھ کچھ  
تو اعزازہ ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس کیوں آئی  
تھی۔ کلاس میں الگ تھلک، چپ چاپ اور  
قد سے کم صبر رہنے والی اسٹوڈنٹ سے اسے  
ہرگز توقع نہیں تھی کہ اس کے روڈ اور لیے دیئے  
روڈ کے باوجود وہ اس کے پاس آئے گی۔

”آپ سرخیم فاروتی کی دی تھی  
Presentation کی وجہ سے پریشان ہیں؟  
کیونکہ آپ کے لاسٹ پیجز تو کس ہو گئے تھے۔“  
وہ اس کے چہرے پر نظر میں بھاگے بولا تو وہ متا تھا  
کے ہونٹوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

”آ۔۔۔۔۔ آپ کو کیسے پتہ چلا؟“ وہ واقعی  
بے حد حیران ہوئی تھی مگر یہ سیاہ آنکھیں حیرت  
اور مصوویت لیے ہوئے تھیں۔ تیمور کے دل نے  
ایک بیٹ کس کی تھی اس نے بے ساختہ لگا ہیں  
چھائیں

”بالکل سامنے کی بات ہے کوئی بھی سمجھ سکتا  
ہے۔“ وہ بڑے آرام سے بولا۔

اب کی دفعہ کچھ بولنے کی بجائے وہ  
دوبارہ لگا ہیں جھکا کے بیڑی کچ کو گھورتے گی۔  
تیمور خان نے بڑی گہری نظروں سے اس کا  
جانرہ لیا۔ گرم نگاہوں کی تپش محسوس کر کے وہ  
حریر گھبرا گئی۔

”میں پتلی ہوں۔“ گھبراہٹ و یو کھلا ہٹ  
میں وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

”سٹس مس راجہ حسہ؟“ اس نے پکارا تو وہ  
پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”کل چھٹی صمت کیجئے گا کیونکہ میں کل  
ٹولس لے آؤں گا۔“ مگر گھبراہٹ کیوں میں دبا کر  
وہ بولا۔

راجہ پر ایک مرتبہ بھر تحرت کا دورہ پڑا  
تھا۔ وہ پوری آنکھیں اور منہ کھولے اسے دیکھتے  
گئی۔ جیسے اس کے کانوں نے بے میں غلطی کی ہو۔



تیمور نے بڑی دلچسپی سے دھڑکی دیکھا تھا۔

”لیکن آپ کو اس کا معاوضہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔“ وہ بھی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

”آں..... ہاں..... وہ میں کر دوں گی جو بھی آپ کہیں۔“ وہ فوراً بولی مبادا وہ مگر ہی نہ جائے۔

”اور کے پھر تیار رہے گا۔“ وہ مگر پورنگاہ اس پر ڈالتا لیے لیے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ جبکہ رہا خوشی سے جھوم جھوم گئی۔ اس کے لیے اور نظر میں پر غور کے بغیر وہ خاصی خوشی خوشی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

میری آرزو ہے تجھے پیاروں  
تجھے چاہوں سے نکھار دوں  
کھنکھانے والوں میں ڈوب کر  
تجھے ہر گزری میں قمر اردوں  
میں جنوں عشق میں جھوم کر  
تجھے قمر جنوں کا حصار دوں  
مجھے تم سے کتنا پیار ہے  
تاروں کا کیسا شمار دوں

میرے ہر طرف حیرتی ہی سوچ ہے  
کیسے میں خود کو فرار دوں  
آکر ہر دم کہیں نہ جاؤ  
جھپٹیں اپنی روح میں یوں اتار دوں

مگر دالوں کو دعا پند کیا آئی تھی نیل بھائی نے تو جھپٹیں پر سرسوں جھانے والی بات کی تھی۔ عمار کی فحش سادہ اور پر غلوں تھی۔ اگرچہ مانی طور پر وہ لوگ زیادہ اچھے نہیں تھے لیکن حیرت اور غلوں کی کمی نہ تھی اور یہی بات ان سب کو بھانگی تھی۔

”نیل بھائی! آج ہم سب نے شادی کر جانا ہے۔“ شادی میں صرف چند روز دن رو گئے تھے اور ان لوگوں کی تیاری ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ ہر طرف ہڑ بھگ مچی تھی۔ عالیہ آئی

لو رنٹو سے اور عزیز آبی ٹیکسلا سے تعریف لائی تھیں۔

عالیہ آبی کے دو بیٹے اذان اور نوری تھے جبکہ عزیز آبی کی ایک بیٹی تھی۔ بیٹوں شیطاں کا ٹولہ تھے۔ سب سے زیادہ شامت حضرت کی آتی تھی۔ میرب اور رباح تو پھر یونیورسٹی چلی جاتی تھیں۔ کہ ان کی پڑھائی ٹھیک تھی۔ جبکہ مزہ بھاری دھڑلی جاتی تھی۔ وہ سارا دن نکلنا ہو جاتی۔

”تم کیا سارا دن پریکٹس پر رہتی ہو۔“ وہ جو نوری کے منہ میں زبردستی فیڈر دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ رافع کی بات پر تھلا کے سر اٹھایا۔

”تم میرے منہ میں لگو تو بہتر ہے۔“ وہ تو پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھی۔

”عالیہ آبی دیکھ لیں ناں کہ تم نے ان کی رافع دلا رہی تھی کا کیا حال کیا ہے تو تمہاری اچھی طرح خبر لے لیں۔“ وہ اسے بڑا اسے سے ہلا نہیں آیا۔

”تمہارا دل جو اس منصوبہ کی محبت میں پھنس رہا ہے تو تم خود سنبھال لو۔“ وہ ترائی سے بولی۔

”یہ خالصتاً خواتین کا شعبہ ہے ورنہ شاید تمہاری سیلپ کر ہی دیتا۔“ وہ کمال بے نیازی سے بولا۔

”تو پھر خواتین کے شعبے میں اپنی ٹانگ نہ ہی اڑاؤ۔“ بالآخر وہ نوری کو خاموش کر دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

”نیل بھائی!“ میرب چلانے والے انداز میں بولی تھی۔

”جی بہنا!“ بڑے دلا بڑے جواب آیا تھا۔

”ہم سب نے شادی کر جانا ہے۔“ وہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔

”تو جاؤ ناں روکا کس نے ہے؟“ مزے سے کہتا وہ صوفے پر پھیل گیا۔

”جائیں کس کے ساتھ۔۔۔۔۔۔“ وہ جیسے زچ ہو کے بولی۔

”یہ رافع ہے ناں جاؤ رافع ان کو شادی پر لے جاؤ۔“ وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے رافع اسی کے حکم کا منتظر تو یہاں بیٹھا تھا۔

”شادی رافع کی نہیں آپ کی ہے۔“ اب کی دفعہ رباح نے مداخلت کی۔

”آ..... اچھا۔“ نیل نے یوں آنکھیں پھیلائیں جیسے یہ اس کے لیے بڑی جھگڑ ہو۔ اچھا غامضہ سجدہ نیل بھی ان دنوں شوخ ہو رہا تھا۔

”جی ہاں۔ ای۔“ میرب نے بھی اسی اسٹائل میں جواب دیا۔

”چلیں آج میں اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔“ میرب نے زبردستی بازو پکڑ کر سے اٹھایا۔

”شادی کیا ہو رہی ہے نیل بھائی نے تو آپ کیسے ہی ہاتھ پیر کر رکھی ہیں۔“ مزہ بھی نوری دینا آئی تھی۔

”پہلے ہی یہ حال ہے بعد میں پتہ نہیں کیا ہوگا۔“ میرب نے آنکھیں نکالیں تو وہ ہنس پڑا۔

”تو یہ ہے خواتین سے کون جیت سکتا ہے۔“ وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

”خواتین۔“ وہ بیٹوں ایک زبان چلا میں تو رافع اور نیل کے بے ساختہ قہقہے اٹھ پڑے۔

☆.....☆.....☆

شادی کے بنگلے ذرا سرور پڑے تو سب ہی اپنی اپنی روٹین پر آگے۔ نیل اور عمار تو بیٹوں مون ٹرپ پر فٹے ہوئے تھے۔ عزیز آبی تو دوا کس چلی تھی تھیں جبکہ عالیہ آبی ابھی نہیں اور ابھی ان کا مزید ارادہ تھا کہ کتنا کما۔ کہ یہ نہیں اب کب سوچ لے آئے گا۔

میرب نے تو بی بی یونیورسٹی جوائن کی تھی۔ اس IM.BAK ابھی اسٹاٹ رہی ہوا تھا۔

حزہ نے بھی بادل غواٹ کا کچا جانا شروع کر دیا

تھا۔ رافع کو ایک لمبی ٹیکسٹ کہنی میں جاب مل گئی تھی۔ وہ بھی وہیں جوائن کرنے لگا تھا۔ جبکہ عمار برقی الحال ٹاکس ٹوٹیاں ہی مار رہا تھا۔ ابھی آفس چلا چلا جاتا ابھی جاب کے پلان بناتا اور کبھی کوئی اپنا پرنس کرنے کا۔ لیکن سب جانتے تھے کہ وہ اتنے پانی میں نہیں کرے وہ دنوں کام ہی کر سکے۔ محکمہ پھر کے اس نے باپ کے ساتھ ہی کام کرنا تھا۔

رباح یونیورسٹی گئی تو جاتے ہی اسے یہ شائنگ نیوز سننے کو ملی کہ Caming month ان کے سمسٹر سٹارٹ ہونے والی ہیں۔ اس کے تو باؤں کے بیٹے سے زمین کھسک گئی۔ اور تو وہ پہلے ہی پڑھائی میں ”پوری“ تھی۔

بیشکل کچھ تان کے تو M.sc تک پہنچی تھی۔ نیل پہلی شادی کی خوشی میں خوب دل کھول کر پڑھائی کی تھیں اب مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے حوالہ حال ہو رہا تھا۔

”لیکن سونیا! ابھی تو وہ ماہ بعد سمسٹر ہونے سے۔ پھر اتنی جلدی کیوں۔۔۔۔۔۔“ کیا پتہ تھیں سننے میں فطنت کی ہو۔ اس نے تصدیق کے لیے پھر ایک دفعہ سونیا سے پوچھا۔

”جی نہیں مجھے سننے میں قطعاً غلطی نہیں ہوئی اور اگر مزید تصدیق کرنی ہو تو لوٹس یونیورسٹی جا کر دیکھ لو۔“ سونیا کے جواب پر وہ اپنا سامان لے کر رہ گئی۔

”یاد رکھنا اب کیا کروں۔“ سونیا تو اچھے کر چلی تھی جبکہ وہ اپنا سر ختم کر رہ گئی۔

”گلتا ہے اس دفعہ تو نیل ہی ہو جاؤں گی۔“ وہ روہاسی ہو کر بڑبڑاتی۔

ہوا جب تیز چلتی ہے

تمہارا راز کھوتا ہے

جب بے سروسا ہے

تمہارا راز کھوتا ہے

کبھی ہولے سے شب کو



میرے دل میں آ کر رہو  
اس محفل ہی ہوتی ہے  
اور تمہارا ذکر ہوتا ہے۔

تمہیں کیسے بتاؤں گی چاہت  
میں نے کی ہے تم سے  
کہ جب آنسو ٹپکتے ہیں

تمہارا ذکر ہوتا ہے

”اسلام علیکم“ یہ نہیں تیمور خان اچانک  
کہاں سے نمودار ہوا تھا۔ وہ اپنی پریشانی میں اس  
قدر گم تھی کہ ارد گرد پر واہ ہی نہ تھی۔

”علیکم اسلام“ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔  
”کیسی ہیں آپ؟ اسنے دن کہاں غائب  
ہیں؟“ وہ اس سے کچھ فاصلے پر ہی ٹھہر کر پوچھ  
گیا۔

”ہاں میرے بھائی کی شادی تھی۔“ وہ  
پریشان اس قدر تھی کہ چاہنے کے باوجود بھی لہجے  
میں بیاشت نہیں ہو سکی۔

”اچھا آپ نے تو انوائٹ نہیں کیا۔“ اس  
نے شکوہ کیا۔

”اے“ اس نے حیرت میں گہر کر اسے  
دیکھا۔ ان کے درمیان کب اتنی فرمائشیں تھیں کہ وہ  
اسنے انوائٹ کرتی۔

”بھدہ کسی کے احسان کا بدلہ ہی اتار دیتا  
ہے اس بھانے۔“ حسب توقع اس کی آنکھوں میں  
تیرتی حیرت دکھ کر وہ خاصا محضوظ ہوا تھا۔

”اوہ اچھا سو ریٹیکٹ ٹائم ضرور بلواؤں  
گی انشاء اللہ! اس کا ساتھ! احسان یاد کر کے وہ  
جگمگ ہونے لگی۔

”ٹیکٹ ٹائم کب اپنی شادی پر؟“ وہ  
پھر مائل بہ شرارت ہوا۔

”نہیں۔۔۔ تو۔۔۔“ اس کے منہ سے  
بالکل غیر متوقع بات سن کے وہ جھجک کے اسی قدر  
کہہ گئی ایک لمحے کے لیے خیال کی لالی نے اس کے  
چہرے پر چھپ دکھائی دی تھی۔ تیمور نے خاصی

دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

”آپ کیسے ہیں؟“ اس کی نظروں کے  
حصار سے بری طرح شیشائی تھی اسی لیے اس کی توجہ  
جٹانے کو پوچھ لیا۔

”اس وقت خود کو خاصا فرائش محسوس کر رہا  
ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے مٹی خیزی سے بولا۔

”آپ کو پتہ چلا ٹیکٹ منٹھ مسٹر  
شارٹ ہو رہا ہے۔“ وہ جو چند لمحوں کے لیے اس  
پریشانی کو بھولی تھی دوبارہ یاد آنے پر اس سے  
پوچھنے لگی۔

”ہاں مجھے بھی چند دن پہلے ہی پتہ چلا  
تھا۔“ وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

”ہائے اللہ! مجھے لگتا ہے میں بری طرح  
فیل ہو جاؤں گی۔“ وہ روپاسی ہو گئی۔

”کیا اچھی طرح فیل ہوا جاتا ہے۔“ وہ  
جو ایک لمحے کے لیے سنجیدہ ہوا تھا دوبارہ شوخی سے  
گرایا ہوا۔

”مٹی عزت افزائی ہوئی ہاں سب کے  
ساتھ اور تمہارا بھائی کیا سوچیں گی۔ میری ہندو شہ  
ٹالاکتی ہے۔“ اس نے گویا اس کی بات کی ہی نہیں  
تھی خود میں ہی بوہاٹنے لگی۔

”اگر آپ مانگنا نہ کریں تو ایک بات  
ہوں۔“ اس نے چاٹتی نظروں سے اسے دیکھتے  
ہوئے کہا۔

”جی“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے  
لگی۔

”مگر آپ چاہیں تو مجھ سے ہر قسم کی  
Help لے سکتی ہیں۔“ اس نے بڑے ٹھہرے  
ہوئے باوقار لہجے میں آفر کی تھی۔

”آپ سے۔۔۔؟“ زیادہ قوی ہوش  
ہونے کی قریب تھی۔ کہاں تو وہ پوری پور ہندو شہ میں  
کسی کو کھاس نہیں ڈالتا تھا اور کہاں اسے اتنی اچھی  
آفر۔

”کیوں میں کیا کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔“

اس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ ہرمان ہو گیا ہو۔

”نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں تھا  
آپ تو بہت نیک اور رحمدل ہیں۔“ وہ جلدی جلدی  
میں جوبہ میں آیا بول گی بغیر سوچے سمجھے۔ مبادا وہ  
اپنی پیکش والی اس کی نہ لے لے۔

اس کے نیک اور رحمدل کہنے پر تیمور کو نہیں  
آگئی۔ وہ واقعی ہی عذر سادہ تھی۔

”شاید جلدی میں کچھ غلط بول گئی  
ہوں۔“ وہ اسے خستہ دیکھ کر اس نے خیر منہ  
ہو کر دل میں سوچا۔

”او۔۔۔ آپ مجھے بتا دیجئے گا آپ کو کون  
سے ٹاپک حل کرتے ہیں۔ میں آپ کو فوس بھی  
لا دوں گا اور اگر کہیں کوئی Problem ہوئی تو  
سمجھا بھی دوں گا۔“ سے خود کچھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ

اس پر اتنا مہربان کیوں رہا ہے۔ آج اسے دنوں  
بعد اس کی شکل دیکھ کے قدم خود بخود اس کی طرف  
اٹھ گئے تھے۔

”جیسے مسوچ۔۔۔“ وہ خوشی  
سے بے قابو ہوتے لہجے میں بولی۔ اس کے  
چہرے کی جھلکاہٹ نے تیمور کے اندر باہر روشنی  
بھری تھی۔

”کیا آر آؤ پر منسٹری دیکھ۔“ اس کے  
چہرے پر نظریں جمائے کہ وہ گہرے لہجے میں بولا۔  
”لیکن احتیاط کیجئے گا کسی پتہ نہ چلے۔“

اس نے آخر حیرت بھی کر دی۔ وہ جس قدر ہلے  
وقوف تھی اس سے کچھ توقع نہیں تھی کہ اپنے ساتھ  
پورے ڈپارٹمنٹ کو بھی شریک کر لیتی۔

”ڈونٹ وری میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔“

اس کی خوشی چھپانے نہیں چھپ رہی تھی۔  
”اور ہاں میں نہیں بھی بولوں گا۔“ وہ جانتے  
جاتے پھر شر ہوا۔

”ضرور کیوں نہیں میں دے دوں گی۔“  
حسب توقع اس نے ظاہر کی مطلب اخذ کیا تھا اور  
کہہ رانی میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

تیمور کے لبوں پر مسکراہٹ چھلکی تھی اسے  
اللہ حافظ کہتا وہاں سے اٹھ آیا۔

وہ پونہ دس بجے گھر لوٹی تو لاؤنج میں  
داخل ہوئے ہی اسے غیر معمولی ٹانگی پھیل کا  
احساس ہوا۔ جب خلاف اس وقت ہی سب کی  
محفل جھیٹتی۔ وہ بھی اپنے کمرے میں جانے کی

بجائے سب کو مشن کر سلام کرنی شولڈ بیک اور  
ٹائٹ سائیڈ پر دھکتی دھکتی دھپ سے صوفے پر  
بیٹھ گئی۔

”ہائے پانی تو پلا دو خالو! اس نے پیچھے  
ہی ہانک لگائی۔

”میرا ب! ان سے ملو یہ میرے بھائی ہیں  
عمیر حسن۔“ ندا بھائی نے اسے مخاطب کیا تو وہ  
چونک کر اپنے سائیڈ والے صوفے کی طرف متوجہ  
ہوئی۔ جہاں ایک خوب رو جوان آنکھوں میں  
ذہانت کی چمک لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”ہیں۔۔۔“ اس نے حیرت سے آنکھیں  
پھینکا کے است دیکھا۔

”مطلب کہ ایک بیٹے میں اتنی  
ترقی۔۔۔؟“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ عمیر کے ساتھ  
ساتھ وہ سب بھی اس کے ہم جملے پر حیران ہوئے  
تھے۔

”مطلب کہ ایک ماہ پہلے جب ندا بھائی  
کی شادی ہوئی تو ان کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ایک  
میٹھے میں اتنا بڑا بھائی۔؟ ایمرنگ۔“ اس کی  
حیرت ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

دلی دلی مسکراہٹ ان سب کے چہروں پر  
چھلکی گئی۔

”عمیر میرا چھو بھی زاد بھائی ہے آئی میں  
کزن۔“ عدائے وضاحت کی۔

”اوہ۔۔۔ اچھا۔“ اس نے یوں اطمینان  
بھرا سانس خارج کیا جیسے کوئی بہت بڑی مشکل حل  
ہو گئی۔



ہوئی۔ میر بھی اس کے انداز پر مسکرا دیا۔  
 ”وہیے بانی داد سے آپ اب تک کہاں  
 غائب تھے؟ میں نے تو آپ کو شادی میں بھی نہیں  
 دیکھا۔“ وہ اب براہ راست حشر سے مخاطب  
 ہوئی۔

”میں ایک کیشن کے سلسلے میں لندن میں  
 تھا۔ اسی سلسلے والیں آیا ہوں تو ماسے دعا آپ کی  
 شادی کا بتایا۔ مجھے تو کسی نے اطلاع ہی نہیں کیا ورنہ  
 شادی میں شرکت کی ضرورت کوشش کرتا۔ اب آیا ہوں  
 تو پہلی فرصت میں دعا آپ سے ملنے آیا ہوں۔“  
 اس نے بڑے متصل انداز میں جواب دیا۔ اس  
 کے جذبات اور شائستگی دیکھنے نے میر کو متاثر  
 کیا تھا۔

”میر بہت اچھا ہے ہمیں بھی بھائی کی کی  
 محسوس نہیں ہوئی۔ بالکل بھائیوں کی طرح ہم سب  
 بہنوں کا خیال رکھتے ہیں۔“ دعا کے لہجے میں محسوس  
 کی جانے والی محبت و چاہت تھی۔

”دراصل جو لوگ خود اچھے ہوتے ہیں ناں  
 انہیں سب ہی اچھے لگتے ہیں۔“ علیر کے فلسفہ  
 چھاڑا۔

”اور یوں تم جیسوں کے حصے میں بھی ایک  
 آدھ تعریف آئی جاتی ہے۔“ میر نے اسے  
 لڑا۔

”تم بھی میری ہی قبیل سے ہو۔“ وہ کون  
 سا ادھار کا قائل تھا۔

”اشو میرب اجاڑ اپنے کمرے میں فریش  
 ہو کر بڑے Change کرو۔ چلو حزن اور رباہ  
 اشو شام کی چائے کی تیاری کرو۔“ عذرت نے  
 اندر آتے ہوئے تینوں کا حکم دیا۔

”پرانا پچ آیا بیٹا ہے اور انہیں کوئی غسل ہی  
 نہیں ہر وقت بس چوتھیں لڑائے رہتے ہیں۔ یہ  
 نہیں کب بڑے ہوں گے۔“ وہ دل ہی دل میں  
 انہیں کو سے جاری تھی۔

اپنے کمرے میں آکر فریش ہونے کی بعد

وہ جو لیٹی تو پھر اس وقت اچھی جب شام کے سامنے  
 داخل رہے تھے۔ کمرے والوں کے جوڑے کی  
 شکل میں لیٹی دو بے گویاں کمرے پر ڈالتی وہ  
 باہر لان میں آئی۔ تو سب چائے کو ساتھ لطف  
 اندوز ہو رہے تھے۔

”ہوئی نیند پڑی؟“ دعا بھائی اسے دیکھ  
 کر مسکرائی اور اپنے ساتھ والی کرسی سے کے لیے  
 بڑھائی۔

”جی آج یورینورسٹی میں کافی تھکاوٹ  
 ہو چکی تھی۔ راستے میں پچائٹ میں گریو ہوئی اس  
 صحیح تان کر گھر تک پہنچی ہوں۔“

نیند کے خمار سے گمانی ہوئی آنکھیں،  
 پیرے کے اطراف سے لپکتی تھیں۔ جنہیں بے  
 دھیانی میں وہ بار بار کان چیکے اُس رہی تھی۔ میر  
 کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔

”کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟“ میر نے  
 پوچھا۔

”میں انگریزی اے کر رہی ہوں۔“ وہ گھڑو  
 سے چائے کا کپ پڑتے ہوئے ہوئی۔

”میر بھائی ہمیں لندن کا کوئی مزے دار  
 واقعہ سنائیں۔“ مزند نے اپنی غسل کے مطابق ہی  
 بات کی تھی۔

”وہ لندن گئے تھے انگریز فورس میں نہیں جو  
 جنہیں مزے دار واقعے سنائیں۔“ رابع نے  
 حسب عادت اسے ٹھیک لیا تھا۔

”تم نے ہر بات میں ضرور ٹانگ اڑانی  
 ہوتی ہے۔“ وہ پڑے کے ہوئی۔

”ٹانگ جو اتنی لمبی ہے خود بخود ہی اڑ جاتی  
 ہے۔“ رباہ کی زبان میں بھی چلتی ہوئی۔

”تمہاری زبان سے تو چھوٹی ہی ہے۔“ وہ  
 بیک وقت کی محاذوں پر لڑ سکتا تھا۔

”بس کرو اب شروع مت ہو جانا۔“  
 عذرت نے اچھا۔

”رہتے دیں آئی امیر تو محبت کی علامت

ہے۔“ میر نے فوراً ان کی سائیڈ لی۔

”نیل بھائی اور عذرت نظر نہیں آرہے۔“ ان  
 دونوں کو غائب پا کر میر نے دریافت کیا۔

”تمہارے ماموں کا فون آیا تھا۔ کوئی  
 ڈیٹیکشن آرہا تھا۔ اپنے دونوں بچے گئے۔ مجھے تو  
 خود اچھا نہیں لگ رہا تھا ان کا جانا میر آیا تھا اس کو  
 کبھی دیکھتے۔“ عذرت نے کہا۔

”کوئی بات نہیں آئی! میں جانتا ہوں  
 برنس کی مصروفیات کو۔ ایسا سب تو چلا ہی رہتا  
 ہے۔“ اس نے فوراً پوزیشن بیکس کرنا چاہی۔

”مجھے نہیں واقعی اتنا سعادت مند ہے یا  
 صرف پوڑ کر رہا ہے۔“ میر نے جا چکی  
 نظروں سے اسے دیکھا۔ اس دم میر نے نظریں  
 اٹھائیں۔ نظروں کے تصادم یہ میر نے جربز  
 ہو کر لگا لیں جھکا لیں اور فوراً چائے کا کپ لیوں  
 سے لگا لیا۔ جبکہ میر کے ہونٹوں پر بڑی دلکش  
 مسکراہٹ بکھری تھی۔

☆ ☆ ☆

آج پچھلی کا دن غائب کمر میں موجود  
 تھے۔ میر بھی یہی تھا۔ نیل بھائی نے اصرار کر کے  
 اسے روک لیا تھا۔

”پچھلی کا دن ہمارے ساتھ گزار کے  
 دیکھو۔“ نیل بھائی نے بڑے دوستانہ انداز میں  
 ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”اور آئندہ ہمیشہ کے لیے تو بکر لیں گے۔  
 بعد میں دعا بھائی سے کہیں گے۔ تم سارا دن سرکس  
 میں کیسے گزار لیتی ہو؟“ میر نے اندر داخل  
 ہوتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

”آپ کی موجودگی میں، میں جو کیسے  
 ہو سکتا ہوں۔“ پتہ نہیں اس کے لہجے میں کیا بات  
 تھی۔ میر نے ٹھٹھک کے اسے دیکھا۔ مگر وہ اس  
 کی طرف متوجہ نہیں تھا تاہم لیوں پر شریر دشواری  
 مسکراہٹ ضرور موجود تھی۔

”اس کی چھوڑ دیا رابید ونا میں واحد دستی

ہے جو ایم۔ بی اے کر رہی ہے۔“ علیر لطیف سا  
 ٹھٹھکیا تھا۔ وہ ٹھٹھکی ہی ہوئی۔ واقعی وہ جب سے  
 یورینورسٹی جانا شروع ہوئی تھی۔ خاصی مصروف ہوئی  
 تھی۔

”تو تم بھی کر لو تا کہ ایک اور ایک میاں رہ  
 ہو جائیں۔“ وہ کھپا ہٹ مٹالے کو بولی۔

”میر بھائی! آپ سے جانتیں آپ کو کون  
 سی دوش پسند ہے۔ میں آج انٹیکل آپ کے لیے  
 بناؤں گی۔“ مزند نے ہال میں داخل ہوتے ہی  
 اسے مخاطب کیا۔

”بلک بریانی۔“ رابع جھٹ سے بولا۔

”وہ کیا تمہارے گوشت کی پتی ہے؟“ وہ  
 چپ کے اس کی طرف مڑی۔

”نہیں تمہارے۔“ کمال الطینان سے

جواب دیا گیا۔ میر کا قہقہہ جاعدار تھا۔

”گلاب جاسن کر فرمائش کر دیں میر  
 بھائی! رابع ابھی بھی باؤ نہیں آیا تھا۔

”نہ ٹھٹھک کو میری بہن کو۔“ میر نے مزند کی

سائیڈ لی تو وہ رابع کو کھودتی کچن میں چل گئی۔

”آپ کی بہن بڑی خیر ہے۔“ رابع ہنستے  
 ہوئے بولا۔

”تم جو ہر وقت اس کے پیچھے بڑے رہتے  
 ہو۔“ میر بھی اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

”کوئی یہاں ہر طرف اس کے حواری  
 ہیں۔“ اس نے مسکین کی شکل بنائی۔

”تم سمیت۔“ میر نے مسکراہٹ لیوں

میں دبا کر شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس کی نگاہوں کا مفہوم کچھ کے رابع نے

جھٹ چھاؤ قہقہہ لگایا تھا۔ میر نے ٹھٹھک کے ان

دونوں کو دیکھا۔

”دال میں کچھ کالا ہے۔“ میر نے

ٹھٹھک نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

میرب کے لیوں پر مسکراہٹ بکھری۔ رابع  
 بھی مسکرا دیا۔



جسے ہم کہہ نہیں سکتے اسے ہم فرض کرتے ہیں  
چلو ہم فرض کرتے ہیں اس سے محبت ہے  
مذہب نے "تم" کی جگہ اس کا مینڈ لگا کے  
حسب حال شعر پڑھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" عمیر بھی  
سکرا دیا۔

"میں بھائی بڑا خدا ترس دل پایا ہے۔"  
رافع نے اکساری کی حد کر دی۔

"جاؤ جاؤ یہ خدا ترسی کین اور دکھاؤ ایسے  
بھی گزے پڑے نہیں ہم۔" میرب کی بہنا پنے کی  
رنگ پھڑکی۔

"مسلہ رچی گھر والوں سے شروع کرنی  
چاہیے۔" وہ علامہ بنا۔

"میں اپنی مردانہ تان کو نیچے نہ آنے دیتا انا کا  
پرچم بلند رہے تو دل کو تسکین ہوتی ہے۔ ہے ناں۔"  
اس نے آئینہ دکھایا۔

"مسلہ رچی میں انا کہاں سے آگئی؟" وہ  
بھی بڑا اکایا تھا جلد ہاتھ آنے والوں میں سے  
نہ تھا۔

"یہ تو بڑا لطیف جذبہ ہے مس میرب! دل  
کے معاملوں میں انا کا گل دل نہیں ہوتا۔" عمیر بھی  
میدان میں کود پڑا۔

"مردوں کے لیے سب سے بڑا معاملہ ہی  
انا کا ہوتا ہے۔" وہ اپنے منکوف پر ڈٹی گئی۔

"آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی  
ہیں؟" وہ بھی عجیبہ بنا۔

"میں نے ہزار دفعہ مشاہدہ کیا ہے۔" اس  
کے لہجے میں ہلکی سی گئی کی آمیزش تھی۔ جسے عمیر  
محسوس کیے جانے نہ سکا۔

"پھر ہم اس احساس کو محبت کا تو نام نہیں  
دے سکتے۔ میرے نزدیک جو محبت انا کی انگلی  
تھا ہے ہوئے ہو وہ محبت تو نہیں سراسر خود غرضی  
ہے۔" وہ بڑے گہرے لہجے میں بولا۔

"ہم خود غرضی کو محبت کے لبادے میں ہی تو

لیٹ دیتے ہیں۔" وہ بولی۔

"لیکن پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں  
مس میرب!" اس نے بھی گویا اسے سمجھانے کا  
حلف اٹھا رکھا تھا۔

یہ میں نے سب کہا کہ سب لوگ ایک جیسے  
ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہوتے ہیں اس  
کی بات عمیر نے ایک اطمینان بھری سانس  
لی تھی۔

"چلیں شکر ہے آپ نے سب مردوں کو  
ایک ہی صف میں کھڑا نہیں کر دیا۔ ورنہ میں تو ڈر ہی  
گیا تھا آپ کے نادر خیالات سے۔" اسے دیکھ کر  
وہ ہم سا مسکرایا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود دیباڑ  
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ لوار  
مذہب نے ماحول پر چھائی کثافت کو کم کرنے  
کے لیے نہایت ہی بے شکا شعر پڑھا۔ جس پر وہ  
سب ہی بے اختیار ہنسنے لگے۔

محبت پھر محبت ہے  
کبھی دل سے نہیں جاتی

ہزاروں رنگ ہیں اس کے  
عجب یہ فحشک ہی اس کے

کبھی صحرانگہ دریا  
کبھی جنگل کبھی آتش

ہزاروں ادب پر رکھتی ہے  
بدن جھلسا کے جو رکھ دے

یہ ایسا دھوپ رکھتی ہے  
کبھی بن کر بیک جگنو

شب گم کے اندر مردوں میں  
دلوں کو اس وقت ہے

بھی منزل کنارے پر  
حد یوں کے مسافر کو

فقط اک پیاس دیتی ہے  
اذیت ہی اذیت ہے

محبت پھر محبت ہے  
کبھی دل سے نہیں جاتی

"میرب!" اپنے نام کی پکار پر اس نے  
پلٹ کے دیکھا تو مقابل عمیر حسن کو پایا۔

"کیسے ہیں آپ؟" وہ خوشدلی سے  
دریافت کرنے لگی۔

"ٹھیک ٹھاک آپ سناؤ۔" اس کی آنکھوں  
چمک میرب کو مخاطب کرتے وقت یونہی بڑھ جایا  
گرتی تھی۔ جسے اب اسے بک شاپ پر دیکھ کے  
اسے وہ بے حد خوش ہوا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ چند کمزوریاں تھیں  
اسی لئے یونیورسٹی سے سیدھی ادھر آ رہی ہوں۔ یہ  
تینوں کمزوریاں بیک کروں۔" اسے جواب دینے کے  
ساتھ وہ کاؤنٹر میں سے مخاطب ہوئی۔

"چلیں پھر گنگے ہاتھوں میری بھی میسلپ  
کروں گی۔" وہ اس کی منتخب کردہ کتابیں الٹ پلٹ  
کے دیکھنے لگا Accountant اور Finance  
کے مضمون میں۔

"why not" وہ ہلکے سے مسکرائی۔  
"لیکن آپ کو help چاہیے کس مسئلے

میں؟"

"نی الحال تو کچھ کمزوریاں ہیں باقی بعد  
میں بتاؤں گا۔" اسے نگاہوں میں رکھ کے وہ  
خوبصورت انداز میں گویا ہوا۔

"آپ کی نداد آئی کا برتھ ڈے قریب ہی  
ہے مجھ سے وہ ہر دفعہ اچھی سی کمزوری ہی امید

لگاتے رکھتی ہیں۔ اسی سلسلے میں آج ادھر آ نکلا۔  
قسمت اچھی تھی کہ آپ مل گئیں ورنہ اکیلا ہی کھپتا

رہتا۔"

"ارے واہ! بڑا عدا بھائی کا بڑھ ڈے  
اور مجھ تو علم ہی نہیں۔" عمیر گنگا پڑ گیا ورنہ

سب کے سامنے گئی ہوتی۔ "اکیلا اٹھ ہونے  
کے ساتھ اس نے ایک جھرجھری بھی لی۔

"تو پھر کون سی کتاب لی جائے بھوان کے

لیے مناسب ہو حراج کے مطابق ہو۔" وہ اب بک  
شاپ کے اندر دلی جسے کی طرف بڑھ گئے۔ چال  
عجیب دیکھیں میں ہر موضوع کے متعلق ہر قسم کی کمزوریاں  
دستیاب تھیں۔

"اب تو کوئی امور خاندانی متعلق کتابیں  
ہی ان کے لیے best رہیں گی۔" وہ شرارت سے  
بولی تو عمیر فہم نہ ہوا۔

"پھر تو وہ حرج کے زیادہ کام آئیں گی۔" وہ  
بھی موڈ میں تھا۔

"اچھی بات ہے نہ ایک حیر میں دو شکار۔"  
"یہ کیسی رسم ہے؟" وہ احمد فراز کی درد

آشوب نکال کے اس دکھانے لگا۔

"تو یہ کس شادی کی بعد تو یہ درد و الم کی  
ڈائریاں تو انہیں گفت نہ کریں۔ ویسے بھی وہ  
نیکل بھائی کے ساتھ بہت خوش ہیں۔" اس کے  
ہاتھ سے کتاب لے کر اس نے دائیں اس جگہ  
دکھادی۔

"پھر تو اس سے بہتر کوئی کتاب ہو ہی نہیں  
سکتی۔" بھار پھر کے تاثرات کو وہ سمجھ نہ رکھتے

ہوئے ڈاکٹر یونس بٹ کی شادیات نکالتے ہوئے  
پولا میرب کا اپنا بیت بھرا انداز اسے شرارت پر

اکسار ہا تھا۔

"تو ہے آپ تو۔۔۔" وہ اس دفعہ اپنی بیسی  
روک نہ پائی۔

پانچو خضر حسین تارو کے چند سفر ناموں پر  
ان کا اتفاق ہوا تھا۔

"آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"  
بک شاپ سے باہر گھر گراچی گاڑی کی طرف

بڑھتے ہوئے عمیر حسن نے اسے پیشکش کی تھی۔

"ٹھیکس یو آپ کو کافی لمبا پھر پڑے گا  
میں کیسی سے چلی جاؤں گی۔" وہ متاثر ہوئی۔

"ڈونٹ لی قابل میرب! میں نے کوئی  
آپ کو کندھوں پر سوار کر کے نہیں لے جانا جو لمبا

پھر کاشے سے تھک جاؤں گا۔" شاپرڈ اسے تھما کر



وہ گاڑی کالا کھولے ہوئے بولا۔  
”پھر بھی وقت تو لگے گا ناں۔“ وہ ابھی بھی  
متاثر تھی۔

”تو کیا ہوا وقت بھر حال آپ سے قیمتی  
نہیں ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر  
بولا۔ پھر دونوں شاہزادوں کے ہاتھ سے لے کر  
بیک ڈور کھول کر اندر رکھے صبر کی ہارٹ بیٹ  
میں ہوئی تھی اس کے انداز پر۔  
”پھر تو اس نے دور کھولتے ہوئے حکیمانہ  
لہجے میں کہا تو دیر ہوئی بیٹھ گی۔

”اور اسٹڈی کیسی چل رہی ہے۔“ گاڑی  
میں رد ہوا لگاتے ہوئے وہ اس مخاطب ہوا۔  
”ٹھیک۔“ وہ ایک لفظی جواب دے کر  
اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔  
”اگر برا لگے ہو تو آسم ساری مجھے اچھا نہیں  
لگا کر خود چلا جاؤں اور تم چلیں گی میں ستر کرنی  
پھر دو۔“ وہ اس پر نگاہ ڈال کر بڑے نرم انداز میں  
بولا تھا۔

”یہ ایسی بات تو نہیں کہ اسے انا کا مسئلہ  
بنالیا جائے۔ اگر آپ نہ آتے تو مجھے فیکسی سے ہی  
جانا تھا۔“ وہ یونہی دیر سے لہجے میں گویا ہوئی۔  
”بات انا کی نہیں بات دل کی ہے اور  
میرے دل نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تم اسکی جاؤں۔“  
اس سے بحث کرنے میں شاید اسے مزہ آتا تھا۔

”تو پھر میں کہیں کر چلتی بھی Female  
فیکسی میں ستر کر رہیں سب کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں  
لا دیں۔“ وہ جھلا کر بولی تو گاڑی خیر حسن کے قہقہے  
سے گونجی۔

”پھر تو مجھے کار کی بجائے ٹرک خریدنا لینا  
چاہیے۔“ وہ کچھ اس انداز سے بولا کہ ناچاچے  
ہوئے بھی صبر کی باتیں نکل گئی۔

”ٹرک بھی برا نہیں ہے۔“ وہ ہنسی روکتے  
ہوئے بولی۔  
”چلتی چلی یہ فرمائش بھی سرائیوں پر

بشرطیکہ فرنٹ سیٹ پر تم بیٹھو۔“ اس نے لہجہ  
میں شرارت کا عنصر نمایاں تھا۔

”میرا دماغ خراب نہیں ہے۔“ اس نے  
صاف ہری جھنڈی دکھائی۔  
”خوش قسمت ہیں دونوں اور تو دماغ کے  
ساتھ ساتھ خانہ خراب دل بھی جواب دے گیا  
ہے دل بھی ایتا نہیں ہے۔“ اس نے غنڈی آہ  
بھری۔

”میرا خیال ہے اسے سی کی کو لنگ ہی کافی  
ہے۔“ صبر کا اشارہ اس کی غنڈی آہوں کی  
طرف وہ جھجھکے مسکرایا۔

”دیئے سنگ دل اور پھر دل لوگوں کے  
بارے میں صرف سنا تھا آج دیکھ بھی لیا۔“ ایک  
مسکرائی ہوئی نگاہ اس پر ڈال وہ گویا ہوا۔  
”کیا آ۔۔۔۔۔ آ۔“ وہ اچھا چلائی۔

”ایک انسان دن رات ان دیکھی آگ  
میں چلے اور اگلے بندے تک اس کی آج بھی نہ  
پہنچے۔“ غنڈی میں لہجہ تو پھر اور کچھ۔ ”وہ پورا کا  
پورا اس کی طرف متوجہ تھا۔ اسے سی کی کو لنگ کے  
باد جو صبر کو غنڈے پہنچے آتے لگے۔

”کھر آگیا۔۔۔۔۔“ وہی وقت گاڑی کے  
پر تک لگا۔ وہ اتنی گھرائی ہوئی تھی۔ کہ وہ فوراً ڈور  
کھول کر باہر نکل گئی۔ برقی رفتار سے گاڑی کا  
بیک ڈور کھولا ایک شاہر باہر کھینچا اور یہ جا دو جا۔

”اپنی گھبراہٹ میں وہ نہ تو اسے دیکھیں  
کہہ سکی اور نہ ہی اندازے کی دعوت دی فوراً آگ  
کھولا اور جواب سے اندر گھیر مسکرایا۔ بڑے  
جذب کے عالم میں گنگنا تے ہوئے وہ گاڑی بیک  
کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

”کیا بات ہے پارٹنر! کہہ کر تم ہو؟“ مرنہ  
جو ابھی ابھی اپنی امانی سے تازہ ڈانٹ سننے کے بعد  
روکے فارغ ہوئی تھی۔ اس کی بات سن کر پھر تک  
ابھی۔

”یہ پارٹنر کسے کہا ہے؟“

”جی۔۔۔۔۔ تمہارے علاوہ اور ہر اور کون  
ہے۔“ رانج یوں دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھنے  
لگا گویا واقعی کسی کے نہ ہونے کی تصدیق کر رہا  
ہو۔

”یہ سترے پن کے مظاہرے کسی اور  
کے سامنے جا کر کرو۔ مجھے یہ فضول کے ڈرامے  
پسند نہیں۔“ اس کی حرکت اسے آگے نہیں بھاگی  
تھی۔

”اچھا۔۔۔۔۔ تو پھر فضول کی فلیش پسند  
ہیں؟“ وہ بڑے اشتیاق سے پوچھنے لگا۔  
”کیا مطلب؟“ وہ خاک بھی نہ بچھی۔

”بھی سیدی ہی بات ہے فضول کے  
ڈرامے نہیں پسند تو پھر فضول کی فلیش پسند ہوں  
گی۔“ وہ یوں سمجھانے لگا جیسے بڑے نکتے کی بات  
ہو۔

”بھار میں جاؤ تم۔“ وہ کچھ آتے ہی  
چلائی۔  
”تم بھی ساتھ چلو۔“ وہ معنی خیزی سے  
بولا۔

”رانج“ پوری قوت سے چلاتے ہوئے وہ  
دائیں بائیں اسے مارنے کے لیے کچھ تھلٹھلٹے لگی۔  
”جی۔۔۔۔۔ سرکار۔۔۔۔۔ حکم۔“ وہ بڑی ادا  
سے کورٹس بجالایا۔

”تم۔۔۔۔۔“ اس نے دائیں بائیں سے  
کشتن اٹھائے اور اسے دسے مارے۔  
”کبھی لڑی ہو ابھی سے گھٹا کر دو گی۔“ وہ  
دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا۔

”مرنہ“ حسد کی آواز پر وہ اس کے ہاتھ  
ایک دم روک گئے۔

”مری بات ہے بیٹا! وہ بڑا ہے تم سے۔“  
کشتن اس کے ہاتھ سے پکڑ کر ایک سائیڈ پر رکھتے  
ہوئے وہ بڑے نرم انداز میں گویا ہوئیں۔  
”تو اسے بھی سمجھائیں نہ پچھو مجھے شک

مت کیا کرے۔“ وہ رو ہنسی ہو کے بولی۔

”کیوں ہر وقت میری بیٹی کے پیچھے پڑے  
رہتے ہو۔“ انہوں نے رانج کو ڈنچا۔  
”یہ کام ہی ایسے کرتی ہے۔“ اس نے سارا  
لمبا سی پر ڈال دیا۔

”میں نہیں کیا کرتی ہوں۔“ وہ تیز لہجے میں  
بولی۔

”جی تو سارا روٹا ہے۔“ اس نے غنڈی آہ  
بھری حسد مسکرایا۔

”دیکھ لیں پچھو! اس کو۔“ حسب عادت  
وہ بات کی گہرائی تک نہیں پہنچتی تھی۔

”نہ تک کیا کر دو میری بیٹی کو۔ یہ تو حسب  
سے اچھی بیٹی ہے میری۔“ پچھو نے نہایت  
پیارے سے اسے اپنے ساتھ لگایا تو وہ رانج کو جاتی  
نظروں سے دیکھنے لگی۔

”اس اچھی بیٹی سے کہیں اب بڑی ہو  
جائے۔ بچوں والی حرکتیں چھوڑ دے۔“ وہ اس کی  
غٹروں کے مقبوم کو خاطر میں لائے بغیر بولا۔

”تم کیوں جتنے ہو جل نکڑے۔“ اس نے  
مزہ لیا۔

”میں جل نکڑے ہوں تو تم کیا ہو جل نکڑی؟  
وہ بھی کون سا ہارنے والوں میں سے تھا۔

”چلو بس کو تم تو ابھی تک بچوں کی طرح  
لڑتے ہو حالانکہ اب اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ کل کو  
شادیاں ہو جائیں گی اب کچھ عقل سمجھو اور یہ بچپنا  
چھوڑ دو۔“ انہوں نے دھیمے لب لہجے میں دونوں کو  
سمجھایا۔

”جی اچھا۔“ رانج نے فوراً سر جھکا کر  
معاذت مندی کا اظہار کیا۔

”مرنہ! چلو اب ابھی سی جائے بنا کر لاؤ۔“  
پچھو نے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

”ساتھ میں قرعہ فراغ تو بھی بنالینا۔“ رانج  
نے پیچھے سے بانگ لگائی۔  
اس کی فرمائش پر وہ تھلا کے مڑی تھی کچھ



کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ بچہ کو دیکھ کر ضبط کر گئی۔ تاہم غلطی نہ ہوئی ہے اسے سمجھنا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا ضبط کے بارے میں سرفراز چہرہ دیکھ کر رانج کے لیے قہقہے کا گانا گونانا شروع ہو گیا تھا۔ سرفراز ہنسی ہوئی باہر نکلی تھی۔

”کیا ہے کا تمہارا۔“ حسد ان دونوں کے وجود دیکھ کر مسکرا دیں۔

☆ ☆ ☆

”Oh! My God“ اس نے شاپر میں سے نکلیں نکلیں اور مستنصر حسین جاڑ کے سرفراز سے دیکھ کر پائس بکڑ کے بیٹھ گئی۔

اس دن آخری میں جو بھی شاپر اس کے ہاتھ لگا وہ اسے ہی گھسیٹ کر اندر کی طرف لپکی تھی۔ اب جو دونوں بعد بوقت ضرورت اپنی بکس کو کھولی کر دیکھا تو اب اپنی عقل پر ماتم کرنے کو بھی چاہ رہا تھا۔

”یہ کیا کر بیٹھی ہوں بیوقوفی میں اب کیا کروں۔“ خود پر غور کرنے کے بعد وہ اب خود سے ہی مخاطب ہوئی۔

”اوہ میں۔“ اس کے ذہن میں جھماکا تو وہ فوراً اٹھ کر عدا آئی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

مدا بھاگتی کے Cell سے اسے بڑی آسانی سے عیس کا نمبر مل گیا۔ اس نے اچھی طرح چیک کیا۔ سو ہائل میوزی میں صرف ایک ہی عیسر تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ عیسر جس ہی سے ندا بھاگتی کا کزن کیونکہ ندا بھاگتی اکثر و بیشتر اسے فون کرتی رہتی تھیں۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے عیسر حسن کا نمبر پایا۔ تیزی سے فون دے دیا کہ لیا گیا تھا۔

”اسلام علیکم۔“

”وعلیکم اسلام۔“

”عیس حسن صاحب۔“ اس نے بات کے آغاز سے پہلے تھوڑی ضروری کہی۔

”جی میں عیسر حسن بات کر رہا ہوں۔“

”میں میری بات کر رہی ہوں کیسے ہیں آپ۔“ شکر تھا کہ اس نے صحیح نمبر پر کال کیا تھا۔

”الحمد للہ! میں ٹھیک ٹھاک ہوں تم کیسی ہو؟“ میری کی آواز سننے ہی خود خود اس کے لہجے میں شیرینی کی گھل گئی۔

”میں بھی ٹھیک ہوں۔“

”میں اس دن غلطی سے آپ کی بکس لے آئی تھی اور میری بکس آپ کی گاڑی میں رہ گئی تھیں۔“ وہ جلدی سے مطلب کی بات بآئی۔

”اوہ۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ تو آپ کو یاد آئی گیا۔“ وہ ہنسا۔

”میں نے تو اپنی دن گھر جا کر دیکھ لیا تھا کہ تم غلطی سے میری بکس لے گئی ہو۔“

”اگر دیکھ لیا تھا تو بھی مجھے بتا دیتے۔“ وہ فوراً بولی۔

”بھیلے میں یہ سمجھا تھا کہ تم غلطی سے دوسری بکس لے گئی ہو۔ لیکن جب دونوں بکس تم نے کوئی رابطہ نہیں کیا تو میں سمجھا کہ تمہیں میری بکس زیادہ پسند آگئی ہیں۔ لہذا اب وہاں کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تو میں میں ان پر فائدہ پڑے کہ اب نئی لینے کا سوچ رہا تھا کیونکہ ندا آئی۔۔۔۔۔“

”جی نہیں۔“ وہ فوراً اس کی بات کاٹ کے تیزی سے بولی۔

”میں نے تو اس دن اسے بکس کو ہاتھ ہی نہیں لگایا آج ہی نکال کے دیکھی ہیں بلکہ ابھی دیکھی ہیں اور ابھی آپ کو فون کر دیا ہے۔“

”چلو کوئی بات نہیں اگر زیادہ پسند آگئی ہیں تو رکھ لو۔ میں کون سا وہاں مانگ رہا ہوں۔“ اس کا انداز صاف چمچھڑنے والا تھا۔

”دیکھنا میں دوسروں کی چیزوں پر نظر نہیں رکھتی۔“ وہ چپ کے بولی۔

”بات صرف نظر رکھنے کی حد تک ہوتی تو پھر بھی ٹھیک تھا تم تو بڑے دھڑلے سے بولی لے لیتی ہو جیسے ازل سے سب کچھ تمہارا ہی ہو۔“ وہ

شرارت سے کہتا اسے غریب بڑا ہے لگا۔

”حد ہوتی ہے بدگمانی کی بھی میں کیوں دوسروں کی چیزوں پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔ میں غلطی سے ایسا ہو گیا۔“ اسے واقعی عذر آ گیا۔

”ہم سے تو کبھی ایسی غلطی نہ ہوئی۔“ اس نے جیسے اس کے خفیہ لہجے کا لطف لیا تھا۔

”اب اس میں میرا کیا قصور کہ آپ سے کبھی ایسی غلطی نہیں ہوئی۔“ وہ زچ ہو کے بولی۔

”تمہارا ہی تو قصور ہے سارا۔“ وہ ہنسا۔

”مگر مجھ کو۔۔۔۔۔“ مٹی خیر سا لہجہ۔

”آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔“ اس نے غصے سے فون ہی بند کر دیا۔

چند سیکنڈ بعد اس کا ہیل دوبارہ گنگنا اٹھا۔ اس نے دیکھا اسکرین پر اسی کا نمبر چمک رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر موبائل کو گھورا پھر قدرے توقف سے اسے آن کیا۔

”سوری یار میں غافل کر رہا تھا۔ اگر برا لگا ہو تو سوری۔“ وہ چھوٹے ہی معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ میری کی بکس پر مسکراہٹ پھیلی۔

”اٹس اوکے۔“

”ناراض ہو گئی ہو؟“ عیسر کو تشویش لاحق ہوئی۔

”نہیں تو میں اب اتنی ہی جی نہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاؤں۔“ وہ مسکرا دی۔

”جیسے جس دن میں تو سمجھ رہا تھا تم ناراض ہو گئی ہو اچھا اب تناؤ کب دسٹے آؤں تمہاری بکس؟ اگر ابھی جاؤں تو ابھی لے آؤں؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ آپ کا اگر زیادہ پسند آگئی ہیں تو آپ رکھ لیں۔“ وہ اسی کے انداز میں بولی تو عیسر قہقہے لگ کے ہنس پڑا۔

”میں ابھی پورا اور ڈال میں پڑھ چکا ہوں اب تمہاری باری ہے۔“

”خیر اتنی بھی بور اور ڈل نہیں۔“ وہ متعینا کے بولی۔

”میں کا مطلب ہے تمہاری بڑھڑے پر۔“ جنہیں گفت کی جا سکتی ہیں۔

”اب ایسی بھی بات نہیں۔“ وہ فوراً بولی۔

عیس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”پھر کیا لوگی اپنی بڑھڑے پر؟“ وہ استغدار کرنے لگا۔

”یہ تو گفت دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے لینے والے کی نہیں۔“ وہ بولی۔

”میرے پاس تو پھر وہی Finance اور Accountes کے حلقے ہی بکس ہیں۔“ وہ ابھی بھی اسے چمچھڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

”وہ تو آل ریڈی میری ہیں۔ آپ کی نہیں۔“ اس نے تردید کرنا از حد ضروری سمجھا۔

”ایک ہی بات ہے تمہاری ہوں یا میری۔ کوئی فرق توڑی ہے۔“ بلا کا مٹی خیر تھا اس کا لہجہ۔

”آپ گل بکس دے جائے گا میں بھی آپ کی بکس واپس کر دوں گی۔“ میری نے فوراً بات مٹی عیسر آگئی سے مسکرا دیا۔

”کب تک بھاگو گی؟“ ایک دن تو اس موضوع پر آنا ہی ہے۔“ اپنے خیالات کو اس نے سوچ تک ہی محدود رکھا تھا فی الحال کہنے سے گریزی کیا تھا کہ وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور وہ خود بھی نیا نیا پاکستان سٹیل ہوا تھا اور کچھ میری بھی ابھی پڑھ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کسی دن فرصت سے عدا آئی سے اس حوالے سے بات کرے گا۔

”او کے ٹھیک ہے۔“ وہ بلا تامل راضی ہو گیا۔

ستل فون آف کر کے اس نے سائیل پر رکھا تو ذہن خود بخود اس شخص کی باتوں کی طرف چلا گیا۔

یہ نہیں تھا کہ اسے اپنی زندگی میں کبھی مردوں سے واسطے نہیں پڑا تھا۔ بس اس نے اس کا



پر بھی سوجھائی نہ تھا۔ زندگی یوں بڑے آرام اور سکون سے گزر رہی تھی۔  
حالانکہ اس کے لیے کڑی اس کے ہم عمر تھے اور ٹیلی ویژن کے لیے تو شاید گھر والوں کی بھی رضامندی تھی۔ لیکن اس نے اپنی زندگی میں بھی کسی کو یہ مقام ہی نہیں دیا تھا۔ ایسا سوا تو بھی آیا ہی نہ تھا اور شاید نہ ہی آتا اگر عمر حسن یوں پیش رفت نہ کرتا۔

وہ ایک ایجوکیٹڈ اور پینڈم لڑکا تھا۔ پھر کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا اور وہ کسی میرب بھی ہو سکتی تھی۔ فی الحال وہ کسی بھی جینت میں پڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن کوئی تھا جو بار بار وہ دل پر دستک دے کر اسے مترب کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆  
فائل سسٹمز بالکل سر پران تھے۔ ان وہ بول تو یہ کوئی مصروف نظر آتا تھا۔ کوئی کتابوں میں کم کوئی نوٹس بنانے میں مصروف اور پھر ایسے تھے جو چاہتے تھے کہ ان کے چھوٹے ہونے کا جس جلد از جلد عمل ہو جائے اور ان سب ہی میں ایک رباح بھی تھی۔ جس کا سارا دن نوٹس رٹنے میں گزار جاتا تھا۔

آج بھی Organic Chemistry کے حلقے کے Topics تھے جو تھوڑے سے لاکر دیے تھے۔

”آپ اسے نوٹس کیسے تیار کر لیتے ہیں؟“ ایک سرسری سا پتہ لے کر اس نے نوٹس بے احتیاطی سے فائل میں لگاتے ہوئے وہ اس سے استفسار کرنے لگی۔

”آج کل تو ہر چیز کے متعلق مواد انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ میں تو ہر اسادہ کار کو استعمال کرتا ہوتا ہے۔ پھر آپ کے پاس ہر چیز کے Proper information اور اصل ہوگی۔ تم یا ہرچیز کی ویسے ہی بلکاس سے بھی بہتر نوٹس تیار کر سکتی ہو۔“ وہ پھر اس کا حوصلہ

بڑھانے کو کہہ رہا تھا اور نہ وہ جتنے پانی میں تھی۔ وہ خود بھی اچھی طرح جانتی تھی۔  
”میں اس کو ہی یاد کروں تو بڑی بات ہے۔“ وہ اس کی بات پر مسکرا کر بولی۔ پھر مزید کہنے لگی۔

”میرب بھی یونہی کرتی ہے صرف لائبریری بکس اور لیکچرز پر انکشاف نہیں کرتی بلکہ نئی سے نئی Website کی تلاش میں رہتی ہے تاکہ جدید معلومات حاصل کر سکے۔ جبکہ میں تو بوجھ جائے اسے ہی غنیمت سمجھ لیتی ہوں۔“ ان کے درمیان اتنی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ کہ وہ اکثرہ پیشتر اسے اپنے گھر کی باتیں بتا دیا کرتی تھی۔ تھوڑی سی داغیم سب ہی سے واقف تھا۔ البتہ ابھی تک کسی سے اپنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اسے بے حد شوق تھا ان سب سے ملنے کا۔ جس طرح رباح بے حد محبت ان سب کا ذکر کرتی تھی تھوڑے کچھ ان پر زحک آئے لگتا تھا۔

”بھئی اگر تم خود ہی سب کچھ کر لیتی تو میں تمہارا مہلپ کیسے کرتا؟“ اس نے بات کو مذاق میں اڑایا۔

”پتہ ہے مجھے سب سے پہلے آپ سے help لینے کا مشورہ میرب نے ہی دیا تھا۔“ میرب کے کلمات یاد کر کے رباح کے ہونٹوں پر مسکان بکھر گئی۔

”واٹ.....؟“ وہ اچھی بے حد حیران ہوا تھا۔ ”میرب نے.....؟ لیکن کیوں.....؟ وہ مجھے کیسے جانتی ہے؟“ اس کی حیرت بھانگی۔

”جیسے آپ اسے جانتے ہیں ویسے ہی وہ بھی آپ کو جانتی ہے۔“ رباح کو اس کے ری ایکشن نے خاصا محفوظ کیا تھا۔

”کیا مطلب.....؟“ وہ ابھی بھی نہیں سمجھا تھا۔

”مطلب یہ ہے کہ جس طرح میں آپ کے سامنے اس کا ذکر کرتی ہوں اسی طرح اس کے

سامنے آپ کا ذکر بھی کرتی ہوں میں نے آپ کے بارے میں اسے بتایا تو اس نے مجھے کہا کہ تم ان سے help لے لو اسی لیے میں اس آپ کے پاس آئی تھی لیکن کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔“ اس نے اب تفصیل سے اسے آگاہ کیا۔

”یہ تو میرے لیے بڑی خوش آئند بات ہے کہ تم اپنے گھر میں میرا ذکر کرتی رہتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ وہ سب میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟“ وہ خوش ہوا اور بڑے اشتیاق سے دریافت کرنے لگا۔

”نہیں میں سب کے سامنے تو نہیں کرتی۔ بس دو چار دفعہ میرب کو بتایا تھا اور مزہ کو کہ آپ بہت اچھے ہیں مجھے بہت اچھے نوٹس بنا کے دیتے ہیں۔“ وہ گھبرا کر جلدی جلدی وضاحت کرتے لگی۔

”آ..... اچھا چلو باتوں کو چھوڑ دو جنہیں تو اچھا لگتا ہوں نا..... یہی کافی ہے۔“ وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تو رباح نے شہنشاہ کرنا نہیں بھلا سکی۔

”میرا خیال ہے اب آپیں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔“ وہ بات کا رخ موڑ گئی۔

”خیر ابھی اتنا ہی ٹائم نہیں ہوا۔ ویسے ہی یہ چار دن ہیں فائل سسٹمز ہیں پھر پتہ نہیں کون کہاں ہوگا۔“ اس کے پاس اسے کوئی تھوڑا سا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

”بی جناب! اور یہی چار دن محنت کے ہیں۔ اگر انہیں بھی کسی مذاق میں اڑا دیا تو پھر اگلا سال بھی ادھر ہی گزارنا پڑے گا۔“ وہ بڑے مدبرانہ پن سے بولی۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے ایسا کرتے ہیں فائل ہو جاتے ہیں پھر ایک سال اور فل چائے گا۔“ تھوڑے بول جوش و خروش سے بولا جیسے بہت بڑا آئیڈل یا اس اس کے ذہن میں آیا ہو۔

”آئے..... ہائے..... اللہ نہ کرے امیرا

تو پہلے ہی سب ریکارڈ لگتے ہیں۔ مشکل سمجھ جان کے ہی کسی پر اس تو ہوتی رہی ہوں کل تو نہیں ہوئی بھی اللہ کے فضل سے اس سال اگر ہوئی نا تو خیر نہیں ای جان نے تو یہی عہد بنا دیا ہے۔“ وہ دل کر بولی۔

”آ..... ہا..... دل آیا بھی تو کس بیوقوف پر۔“ وہ مدہ ہی مدہ میں بڑبڑایا۔

”مجھے کچھ کہا آپ نے.....؟“ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کہہ بھی دیا تو کیا فائدہ.....؟ جنہیں کون سا سمجھتا جانی ہے۔“ پتہ نہیں اب وہ اسے چڑا رہا تھا یا داغی سمجھ کر رہا تھا۔

”ہاں۔“ وہ بڑے اعتماد سے بولی۔  
”چلو چھوڑو پھر بھی سی بی ایف ایل انٹرمیڈی تیاری کرو۔ پہلے ایک امتحان تو دے لو۔“ اس کی متوجہ حالت کے پیش نظر وہ بات کو ل کر گیا۔

”میں ایک امتحان ہی دوں گی اللہ اللہ! کیونکہ میرا فائل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہاں آپ چاہیں تو جیتے مرضی دیں۔“ اس کی ہونٹ ابھی تک دھڑکی ہوئی تھی۔ اسی لیے کندھے اچکا کے بولی۔ ساتھ ہی اپنا بیک اور فائل اٹھا کے گھڑی ہو گئی۔

”کب تک فرار حاصل کرو گی رباح ڈیڑا بس! بڑھو ہونے دو ایک دفعہ۔“ یہ بڑاتا ہوا وہ بھی اس کی تقلید میں کھڑا ہوا گیا۔

☆ ☆ ☆  
غلامی ابھی کی برتھ ڈے کا فکشن انہوں نے مل کر ہی ارجح کیا تھا اور کوئی بڑے پیمانے پر نہیں تھا بس سب فائل کے افراد ہی تھے۔ یا عمر حسن اور غلامی ابھی کی بیٹیں تھیں۔ ان سب نے فل کر خوب بلا لگ کر چاہا ہوا تھا۔ حالانکہ غلامی ابھی فائل اس حق میں نہ تھیں اور انہوں نے اس پر اگر کام کی بے حد تردید بھی کی تھی۔ لیکن ان سب کے سامنے ان کی ایک نہ ملتی۔











”ہاں یہ کام کی بات ہے جو تم نے سب سے آخری میں اٹھی ہے۔“ ان دونوں کی محفل میں شاید یہ بات آگئی تھی۔

”تو بس پھر دعائیں دو مجھے جو تمہارے لیے اتنا درد مند دل رکھتی ہے۔“ وہ اب جتنا ہی ہوئی نظر سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”خیر دعائیں تو جب دیں گے جب تم واقعی یہاں سے وطن جواؤ کی اپنی اتاری ہوئی سڑی بچی بولگی کرے۔“ میرب نے کہا تو وہ فضا خون کے گھونٹ کی کرہ کی اور صرف اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔ لیکن فی الحال وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ ان کا کوئی پتہ نہ تھا پھر اسے پہلے کی طرح دھنک کی رکھ دیتیں۔

☆ ☆ ☆

تیمور خان تو اتنا جلد باز تھا کہ دوسرے دن ہی اپنی فیملی کو لے کر ان دھنک رہا کہ تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے اتنی جلد بازی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

تیمور کی والدہ اور بڑی بہن ڈرامنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ جبکہ تیمور اپنے والد سمیت دوسرے ڈرامنگ روم میں تھا۔ مرد حضرات کے پاس ان کی فیملی میں یوں غیروں کا اپنی خواتین کے سامنے بیٹھنا مستحب سمجھا جاتا تھا۔

تیمور کی والدہ خالدہ بیگم کی چھانچہ نظروں نے پورے ڈرامنگ روم کا جائزہ لیا تھا اور آنے والی خواتین کے لباس اور پیر کو دیکھ کر اعزاز ہوا تھا کہ بچے نے کلاس تو انہیں ڈھونڈ لی ہے۔ ان کی اولاد کے لاکھ بھانے کے یاد دہان ایک طبیعت کا لالچی بن نہیں گیا تھا۔

باتوں ہی باتوں میں انہوں نے ان کے خاتمان کی پوری ہنسی منظم کر لی تھی۔ اسی وقت ربابہ اندر داخل ہوئی تھی جس کے پیچھے میرب بھی تھی۔ دونوں نے مشترکہ طور پر سلام کیا۔

”یہ میری چچی ربابہ ہے اور یہ میرب

ہے۔“ نمکرت نے ان دونوں کا تعارف کر دیا۔ ”ماشاء اللہ بڑی پیاری بچیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے سے محفوظ رکھے۔“ وہ بڑے متخاص ٹھہرے انداز میں گویا ہوئیں۔

رباحہ تو بے حد تعجب رہی ہوئی تھی۔ جبکہ میرب بڑے اعتماد سے بیٹھی تھی۔ تیمور کی بہن نادیا نے ان کی بدعاشی اور متاعل وغیرہ کے بارے میں پوچھنے لگی۔

خالدہ بیگم نے غیر ارادی طور پر دونوں کا موازنہ کیا تھا۔ میرب، ربابہ کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت اور کم عمر تھی۔ ویسے بھی اگلی اولاد تھی۔ حسد کا سارا کچھ اسی کے نام ہوتا تھا۔ پھر MBA بھی کر رہی تھی کل کو انہیں نوکری مل گئی تو بھی انہی کا کاندہ ہوتا تھا۔ جینز بھی ربابہ کی نسبت زیادہ لاسے تھی۔ آخر ماہیوں کی اگلی، لاڈلی بھانجی ہے ان کی لاڈلی نظرت بار بار سر اٹھا رہی تھی۔

”لیکن تیمور نے تو ربابہ کے لیے کہا تھا۔“ انہیں قدرے پریشانی ہوئی۔

”تو پھر کیا ہے میں ربابہ کی بجائے میرب کا نام لے دوں گی۔ جب وہ اسے دیکھے گا تو خود ہی میری پسند کی داد دے گا اور پھر میں تو اس کے مستقبل کا بھی سوچ رہی ہوں یہ مدت بتا رہی تھی کہ ان کی فیکٹری میں میرب کے نام کے خیر زالگ ہیں۔ وہ بھی کل کو تیمور کے ہی کام آئیں گے۔“ دل انہیں ہر طرح کی دیسی دے کر اپنے موقف پر ڈھارنے کی کوششیں کر رہا تھا اور پھر بالآخر انہوں نے فیصلہ کر لی لیا۔

انہوں نے اپنے بیٹھے لچے اور بظاہر انکسار اور عاجزانہ اعزاز سے ان سب کو حائر کرنے کی بھرپور سعی کی تھی اور پھر تیمور بھی وجہ اور ایجوکیڈ لڑکا تھا۔ جوان سب کو بھی بہت پسند آیا تھا۔

”لیکن لی! ہمیں تو آپ کی میرب بہت ہی پسند آئی ہے۔“ ماشاء اللہ بہت نیک اور

شریف بچی ہے مجھے ایسی ہی بچی اپنے تیمور کے لیے چاہیے۔“ میرب اور ربابہ کے کمرے سے نکلے ہی وہ عذرت اور حسد سے مخاطب ہوئیں۔ عائشہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔ ربابہ کی بجائے میرب کا نام لے کر نادیا نے چونک کر اپنی ماں کو دیکھا تھا اور انہوں ہی آنکھوں میں انہیں اشارہ بھی کیا تھا۔ جیسے انہوں نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

”آپ جیسے چاہیں تیمور کے بارے میں تسلی کروائیں۔“ اچھی طرح سوچ سمجھ کے جواب دیں۔ یہ بیٹیوں کے فیصلے ہیں اللہ سب کے مقدر اچھے کرے۔ بیٹیاں تو سب کی سناٹھی ہوتی ہیں۔“ وہ بڑے رقت آمیز درد مند انداز لہجے میں بولیں۔ یہ بھی خود کو رحم دل ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا۔

”ہم مشورہ کر کے آپ کو کوئی جواب دیں گے۔ ویسے تیمور ماشاء اللہ چھ لڑکا ہے۔“ حسد بیگم نے حسد سے کہا اور یہی بات خالدہ بیگم کا حوصلہ بڑھا گئی۔

”یار! میری ساس تو بڑی اچھی خاتون لگ رہی تھی۔“ رات کو وہ بیٹوں اپنے کمرے میں بیٹھیں اصل صورت حال سے بے خبر تیمور کر رہی تھیں۔ میرب نے کہا تو ربابہ نے جھپٹتے ہوئے اسے گھوری ڈالی۔

”لی! لی! وہ میری ساس نہیں ہے۔“ ”مستقبل قریب میں تو ہے۔“ مزید فوراً بولی۔

”ویسے کچھ سن گئی لی!۔۔۔۔۔؟ بیڑوں کے درمیان کیا فیصلہ ہوا؟“ ربابہ کو فکر لاحق ہوئی۔

”تیمور بھائی مشترکہ طور پر سب کو بہت پسند آئے ہیں۔ بس انکا پتہ چلا ہے تاہم اب وہ رہے تھے کہ وہ لڑکے کے بارے میں ایک دو دن میں معلومات حاصل کر کے پھر انہیں کوئی جواب دیں گے۔“ مزید نے بتایا تو ربابہ کے لبوں پر مدغم سی

سکراہٹ سج گئی۔ ”دیکھو اس کہیں کو کیسے باجیں کھلی جا رہی ہیں۔ ابھی یہ حال ہے شادی پر تو لگتا ہے سکراہٹ کاٹوں تک ٹھیل جائے گی۔“ میرب نے فوراً اس کی کمر بڑھو کا جڑا۔

”کیا پتہ اسی طرح کہیں تو تھ پیسٹ کے اشعار میں چائیں لگ جائے کریڈٹ تو سارا تیمور بھائی کو جائے گا۔“ مزید جھٹ بولی۔

”جھٹ رہنا جل مگر ہو۔“ ربابہ نے چھٹ بھائی کو تھپکے لگا لیا لیکن پھر ان دونوں کے کتاب سے فکا نہ لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

اور پھر جس کسی نے بھی سنا اسے یقین نہ آیا۔

میرب اور تیمور۔۔۔۔۔؟

تیمور اور میرب۔۔۔۔۔؟

رباحہ کو اپنا دماغ ہلک سے اڑا ہوا محسوس ہوا تھا۔ جبکہ میرب کے قدموں تلے سے زمین کھسک رہی تھی۔ مزید نے نہایت بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھتا جیسے پوچھ رہی ہو۔ ”یہ کب ہوا اور کیونکر ہوا؟“

ابھی ابھی تو عائشہ مائی نے اسے بتایا تھا کہ تیمور ہر لحاظ سے اچھا لڑکا ہے فاروق ناموں نے پوری جھان بین کر دالی ہے۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھی۔ لیکن جب انہوں نے آخر میں اس کا نام لیا تو وہ بھونچکی رہ گئی۔

”میں نے تو حسد سے کہا تھا کہ ایک دفعہ میرب سے پوچھ لو اس کا تیمور کے بارے میں کیا خیال ہے حسد نے کہا کہ میں نے پوچھا ہے وہ بہت اچھی رائے رکھتی ہے۔ ویسے بھی تیمور فکل سے ہی سلجھا ہوا لڑکا لگتا ہے۔“ وہ تو اور بھی پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں اس کا دماغ ہی سائیں سائیں کر رہا تھا۔

ای نے اس سے پوچھا ضرور تھا کہ تیمور کیسا



لڑکا لگا ہے جھپٹیں؟ اور اس وقت تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کس حوالے سے پوچھ رہی ہیں۔ اس کے ذہن میں تو رہا ہی نہیں۔ اگرچہ اس نے تیمور کے ساتھ کوئی کپ شہ نہیں لگائی تھی لیکن مختصر سی سلام دعا ہوئی تھی وہاں ہی کے وقت اور وہ بھی وہ رہا کہ پرزور اصرار پر بھی تھی ان کو اودار کئے۔

”مائی گاڈ! یہ کیا ہوگا..... اے کیا ہوگا؟“

عائشہ مائی کے جاتے ہی وہ اپنا سر جڑ کے چبھ گئی آنکھوں کے سامنے بار بار رباح کا بے یقین چہرہ آ رہا تھا۔

”پہلے میرا خیال تھا تمہاری اسٹری کیپیٹ ہونے تک دیٹ کر لوں بیٹا اب تو ایسا ہونا خاصا مشکل لگ رہا ہے۔“ کسی کا شرع لہجہ اس کی سماعت میں گونجا تو وہ تڑپ اٹھی۔

”میں جلد ہی عدا آئی سے بات کر کے ماما کو لے کر آؤں گا۔ دیٹ کرنا۔“ کچھ بقی بولتی لگا ہیں میرب کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

ابھی تو اس کی آنکھوں نے خواب دیکھا شروع کیے تھے۔ یہ ابھی سے کیا ہوگا؟

”تقدیر اتنی بے رحم ہرگز نہیں ہو سکتی۔“ وہ مجلس کے کمزری ہوئی۔

”یقیناً ایسی ہی حالت رہا کہ ابھی ہوئی۔ وہ بھی تو تیمور کو..... اور تیمور مجھے کس طرح..... آخر

اس نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟ اور میرب حسن وہ کیا کرے گا؟ میں کیسے اس کا سامنا کر پاؤں گی؟“

سوال اٹھتے تھے کہ اس کا دماغ چمکنے لگا۔

اس کی تو حالت اتنی عجیب ہو رہی تھی وہ تو خود کو اس کا مل نہیں پارہی تھی کہ رباح سے نظریں ہی ملا سکے۔

”یا اللہ! ہمارے حق میں بہترین فیصلے فرمائے۔“ اس کے دل نے پوری شدت سے دعا مانگی تھی۔

☆.....☆.....☆

بھی لوٹ آئے تو وہ پوچھنا بس دیکھنا انہیں غور سے جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور تھا پتہ نہیں کتنے دن یونہی بے کیف، خود سے نظریں جڑاتے، کر لاتے گزر گئے۔ تیمور خان کے لیے سب نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور شاید یہ اظہار اور تک بھی پہنچ گیا تھا میرب کا جی چاہتا تھا جی جی کے سب کو بتائے کہ سب غلط ہے۔ لیکن ایک طرف تو اس کی ماں تھیں۔ جنہوں نے سب کے درمیان بڑے مان سے کیا تھا کہ ان کی بیٹی ان کی بڑی فرما کر رہا ہے اسے اپنی ماں کا ہر فیصلہ قبول ہے۔ جبکہ دوسری طرف رباح بھی جس کی مہم آ نکھیں اداس چہرہ سارا دن اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہتا۔

اور ایک طرف اس کا دل تھا۔ جس میں میرب حسن کی آوازیں تھیں۔ لیکن دل تو پتھر کی کھاتے پتھر میں ہی نہیں تھا۔ وہ تو ہر طرف سے پس رہی تھی۔ روزیل صراط سے گزرتی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کیا کرے کیا نہ کرے۔ پس سارا دن اس کا اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانتے ہی گزر جاتا تھا۔

”یہ میں کیا سن رہا ہوں میرب!“ وہ دعا لڑتا ہوا اس کے سر پر پہنچا تھا۔ تیمور سی اور زخم ہونے والے تھے وہ لاہری کی میں بیٹھی ہوئی خالی ڈھکی سے کتاب کے اور اوراق پلٹ رہی تھی جب میرب تن تن کر اس تک پہنچا تھا۔

”تو قیامت کی گمزی آن پہنچی۔“ اس کا نازک ساحل دل لڑکھڑاہا تھا۔

”تم اتنی گھبر کیسے ہو سکتی ہو میرب؟“ وہ شکستہ سا اس کے سامنے چہرہ گھسیٹ کے چبھ گیا۔

شکر تھا کہ وہ اس وقت الگ تھلک ایک کارٹر میں بیٹھی تھی۔

”بتاؤ کس کے کہنے پر یہ سب کر رہی ہو؟“

وہ چپ چاپ بیٹھا کچھ کردہ چیز لہجے میں بولا۔

”میں کیوں کس کی کہنے میں آؤں گی۔“ اس نے لہجہ کو تاریل رکھنے کی ہر پور کوشش کی تھی۔

”میں نے تمہیں کیا تھا میں چند دنوں تک ماما کو لے کر آؤں گا۔ میں ایک ضروری کام سے کہیں گیا ہوا تھا۔ آج ہی لوٹا ہوں۔ ماما تو اسی دن سے تیار ہیں۔ مجھے کیا پتہ تھا میری چھ دن کی غیر حاضری یہ رنگ لائے گی۔“ وہ بہت ٹوٹا اور گھبرا ہوا لگ رہا تھا میرب کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

”میں نے کچھ دیر پہلے ذرا آپنی کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ تو انہوں نے بتایا مجھ سے میرب ہوا تو فوراً ادھر چلا آیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے میرب.....؟ مجھے کچھ نہیں آ رہا؟“ وہ شکستہ لہجے میں بولی۔ میرب ہنوز خاموشی سے میرب کی سطح کو گھور رہی تھی۔

”تم خوش ہو اس رشتے سے.....؟“ اس نے چہرہ ہوا سوال کیا۔ میرب کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

وہ خاموشی ہی بتانے کو بھا بھی گیا۔

آدمیان تو چلتی ہیں خشک زرد چٹوں کو شارب سے لڑانے کی کوششیں بھی ہوتی ہیں سادھیں بھی ہوتی ہیں بخت کے ستارے کو اک خوشی کے لمحے سے ضرب دیتے رہتے کی آرزو بھی ہوتی ہے ہاں مگر کیا کیجیے کیسی بد نصیبی ہے سازشوں سے لڑ جانا بچر بھی کھل ہوتا ہے بخت کے ستارے کو

اک خوشی کے لمحے سے ضرب دیا مشکل ہے بخت سے کون لڑ سکتا تھا؟ بخت سے کون لڑا ہے؟ لڑنے کا فائدہ کیا؟

”میرب..... کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت تھی یا ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کیا ہے؟ میں تو اس کے لیے بہت مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔ میرب پلیز! اترائی نواٹو رسیٹو۔“ یہ نہیں اس سے اس کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ ہار گئی۔ نہ معلوم خود سے جنگ کرنے کرتے ہار گئی تھی یا اس شخص کے جذباتوں سے ہار گئی تھی۔

میرب سر ٹکا کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی۔

”میرب! میرب اس اچانک رد عمل پر گھبرا گیا۔

”خود کو سنہا لو پلیز۔ اس طرف کوئی بھی آ سکتا ہے۔“ وہ جا بخت سے بولا۔ اسے خود بھی شاید احساس ہو گیا تھا۔ اسی لیے سر اٹھا کے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

”اب بتاؤ مجھے کات بات ہے؟ اور مجھ پر پورا بھروسہ رکھو۔ میرب حسن بھی تمہارے اعتماد کو گھسیٹ نہیں پہنچائے گا۔“ اس کے اپنا بہت بھرے لہجے میں کچھ اور ایسا تھا کہ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ اس پر اعتبار کر لے۔

اور یہی تو محبت ہے جب ہم اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر اپنے دل کا بوجھ دھرتے ہیں تو دراصل اسے اپنی ذات کا ہی ایک حصہ سمجھتے ہیں اور محبت ذات ہی تو ہوتی ہے۔ وہ بھی جو کسی نہ کہ کسی تھی۔ آج اس سے کہہ گئی تھی۔

آہستہ آواز اور نرم لہجے میں وہ اسے ساری بات بتانے لگی۔

☆.....☆.....☆

”بس امی جان! تیمور خان لاکھا اچھا کی پر



میرے بھائی سے بہر حال کم ہی ہے۔" خدا بھائی  
عمر حسن کا کپس لے کر آج بڑوں کی عدالت میں  
موجود تھیں۔ رشتوں میں اتنی جاہت اور مان  
انہوں نے یہاں سے ہی دیکھا تھا۔

"آپ جیسے مرضی مقابلہ کر لیں میرے ہر لحاظ  
سے تمہارے بہتر ہے اور میرے لیے بالکل  
پر فیکٹ ہے۔" خدا بھائی حیران ہو گئے۔

"آپ کی بات بالکل بجائے بیٹا! لیکن  
ہم ان لوگوں کے سامنے اپنی پسندیدگی کا اظہار  
کر چکے ہیں۔" فاروق صاحب نرم لہجے میں  
بولے۔

"صرف پسندیدگی کا اظہار کیا ہے ناں  
خانواستہ نکاح تو نہیں ہو چکا۔" انہوں نے فوراً  
جواب دیا۔

"بیٹا! زبان ہی سب سے بڑی چیز ہوتی  
ہے۔" عائشہ بیگم نے بھی حصہ لیا۔

"بے شک امی جان! لیکن ابھی باقاعدہ  
طور پر کچھ نہیں ہوا ہے ناں۔ ہم انہیں سلیقے سے  
انکار بھی کر سکتے ہیں۔" وہ مناسبت سے بولیں۔

"لیکن اس طرح دیر سہ بھی تو ہو جائے  
گا۔" عدوت نے پہلی دفعہ کچھ کہا۔

"جہاں دونوں فریق سلیقے ہوئے ہوں  
ایک دوسرے کی خواہشات کا احترام کرتے  
ہوں وہاں لڑائی، جھگڑنے کی نوبت سرے سے  
آتی ہی نہیں۔ مجھے آپ میں رچے ہوئے اتنا

عرصہ تو اگر نہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی میری ہر  
عادت آپ کے سامنے ہے جس میں بھی آپ لوگوں  
سے واقف ہو گئی ہوں پھر عمر حسن کو بھی آپ

جانتے ہیں۔ بالکل راضی اور عذریہ کی طرح مکمل  
مل کے رہتا ہے۔ ہمارا اگر چہ سا بھائی نہیں لیکن  
اس نے بھی ہمیں بھائی کی کئی خصوصیتیں ہونے نہیں  
دی۔ وہ بہت ہی اچھا انسان ہے اور اچھی سلجھی  
ہوئی طبیعت کا مالک نہیں لڑائی جھگڑے سے  
بیشک کوسوں دور بھاگتا ہے چاہیے وہ میان میں

دیر سہ ہو نہ ہو۔ یہ تو دونوں کو کدورت ہوتی ہے  
امی جان! اور جب دلوں میں کدورت کی  
بنائے پیار محبت ہو تو رشتے کی نزاکت کا  
احساس خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔" خدا بھائی  
نے بڑی تفصیل سے ان کے تکرر خدشے کی  
تردید کی گئی۔

"یہ بات تو بالکل صحیح کہی تم نے۔" عدوت  
نے بھی ان کی تائید کی تو انہیں قدرے ڈھارس  
ملی۔

"آپ کیا کہتی ہیں پچھو!" وہ ایک دم انہیں  
عاطف کر کے بولیں تو سب ان کی طرف حیرت  
ہو گئے۔

"میر بھی مجھے اپنے بیٹوں کی طرح ہے۔"  
واقعی میر کے لیے نرم گوشہ رکھتی تھیں۔

"تو بس پھر..... پیچھے رہ ہی کیا جاتا ہے پھر  
بھی مگر آپ چاہیں تو اپنے طور پر میر کے بارے  
میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور اگر اب بھی  
آپ کو وہ سوئی خالدہ آئی اپنی عداوتی سے زیادہ  
عزیز ہے تو پھر آپ اس کے بیٹے کے حق میں فیصلہ  
کرویں۔" انہوں نے آخری حربہ استعمال کیا اور  
معنوی ناراضی سے منہ پھلایا۔

"اگر ہے..... بیٹا! اسنے دلائل دینے کے  
بعد بھی آپ کا خیال ہے کہ ہم قائل نہ ہوں گے۔"  
فاروق صاحب نے محبت سے اسے دیکھا کہ میر تو  
بہر حال انہیں بھی پسند تھا۔

"تو..... آہ..... آپ آئی میں..... وہ  
بے یقینی میں گھری انہیں دیکھنے لگیں۔ پھر ایک دم  
حسرت کی طرف مڑیں۔

"پچھو.....! آپ کو تو پتہ ہے ناں میر کتنا  
اچھا ہے میر بالکل مجھے اپنی بہن کی طرح ہے۔  
بلیوی۔" حسرت کے دونوں ہاتھ پکڑ کے وہ انہیں  
آنکھوں سے لگے کی بولی تو خود بخود ہی آسو پھٹک  
پڑے۔

"تم بھی مجھے اپنی کی طرح عزیز ہو۔" حسرت

نے بڑھ کے اسے گلے لگا لیا۔  
"بھئی خوشی کے موقع پر آسو اچھے نہیں  
لگتے۔" عائشہ مسکرائے بولیں۔  
"تو پھر تو طے ہے کہ کہیں اپنی عداوتی  
وہ سوئی خالدہ آئی سے زیادہ عزیز ہے۔" فاروق  
صاحب نے مسکرائے کہا تو وہ سب ہی مسکرا  
دیے۔

☆ ☆ ☆

خوشبو کی پُر شاک مہکن کر  
کون کون کھلی میں آیا ہے  
کیسا ہے پیغام رساں ہے  
کیا کیا خیریں لایا ہے  
کھڑکی کھول کے باہر دیکھو  
موسم میرے دل کی باتیں  
تم سے کہنے آیا ہے

"خود تو سات سات گز کے دوپٹے اوڑھ  
کے بیٹھ گئی اور مصیبت ساری میرے سر پر بڑی  
ہے۔ میں کیا کیا کروں۔" حسرت پھر کی تکی پورے گھر  
میں گھوم رہی تھی۔

اور ہر دو منٹ بعد وہ ان دونوں کو یہ  
احساس جتنا ناگوار پہنچتی تھی۔ وہ بھی ڈھنکی  
نہیں مسکرائے جاری تھیں۔ حسرت کو تو پتے لگ  
گئے۔

"اللہ کرے لاریٹ چلی جائے جھوٹا جل  
جائے تمہارے سارے میک اپ کا بیٹا ناں ہو  
جائے۔" وہ منہ پھاڑ کے بولی مگر ادھر پرواہ کسے  
تھی۔

"ڈونٹ وری انہوں نے نہیں بغیر میک  
اپ کے دیکھ رکھا ہے۔" میر نے اسے منہ پڑایا  
تو وہ تن تنہا کرنی باہر نکل گئی۔

اس دن اپنے دل کا سارا بوجھ میر حسن کے  
سامنے ڈھیر کر کے وہ پرسکون ہو گئی تھی۔

اور پھر میر تیمور سے ملا۔ تیمور تو بچاؤ خود  
اس ساری صورتحال سے گھبرایا ہوا تھا۔ نادیر نے

جب اسے آکر بتایا کہ امی ادھر یہ کہہ کر آئی ہیں تو وہ  
سر ہلکے بیٹھ گیا۔  
"ربا ح نے اس کے بارے میں کیا سوچا  
ہوگا؟ وہ کیا لڑکا ہے؟" اگر چند دن تک میر اس  
سے نہ ملتا تو شاید باطن ہی ہو جاتا۔  
خالدہ بیگم کو وہ ہر طرح سے قائل کرنے کی  
کوشش کر چکا تھا مگر مفر تھا۔ پھر یہاں پر ٹیکل  
نے ان کا ساتھ دیا۔

"میرب کی نسبت خدا کے بھائی سے ملے  
ہے آئی ادھر کا۔" اسے واہیں نہیں آیا تھا تو ہم نے  
پریشانی میں تیمور کے لیے ہی سوچ لیا پھر ہے کچھ  
بھی ہونے سے پہلے وہ آگیا ہے اور اب چند دن  
بعد میرب کی نکلی ہے۔" ٹیکل نے بڑے رساں  
سے کیا تھا۔

خالدہ کی جہاں اپنی پلاٹنگ فیل ہونے کا  
دکھ ہوا تھا وہاں یہ بھی احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی اولاد  
کو بھی ناراض کر چکی ہیں۔ تیمور کے ساتھ ساتھ  
نادیر بھران سے سخت تھا تھی۔

"ربا ح اب بھی میرب سے کم نہیں ہے  
رحمی لکھی ہے میرب جتنا ہی دے کر رخصت کر دیں  
گئے۔ پھر بیٹے کی بھی مرضی ہے۔ کل کھا کچھ اونچ  
ہوئی بھی تو میں یہ تو کہہ سکوں گی اسے یہاں ا  
تمہاری ہی پسند تھی۔" انہوں نے بڑی سوچ بچار  
کے بعد بالآخر ربا ح کو بھی پسندیدگی کی سکودے تھی  
مبادا وہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

پھر جب عدوت اور عائشہ نے انہوں  
میرب کے بارے میں بتایا۔ تو وہ بڑی فراخ دلی  
سے کہنے لگیں۔

"اسے لوا تو پھر کیا ہوا میرب کیا ربا ح کیا  
میرے لیے تو دونوں برابر ہیں۔ بس اب ربا ح کو  
تو آپ میری بیٹی بھائی دیں۔" اور حسرت جو ادھر ہی  
اندھ گھبرا رہی تھیں کہ کہیں صورتحال بگڑ نہ جائے ان  
کی بات پر ادھر تک شائستہ ہو گئیں۔ عدوت اور  
عائشہ بھی ان کے اندرونی لالچ سے بے خبر ان کی



سادہ دہلی کی معترف ہو گئیں۔

پھر یہ ایک الگ قصہ ہے کہ تیسور نے رباح کو کس طرح اصل صورت حال سے باخبر کر کے راضی کیا تھا۔

بہر حال جہاں خالدہ بیگم کو جلدی تھی وہیں میر کی ماما بھی میرب سے مل کے بہت خوش ہوئی تھیں اور جلد ہی کوئی تاریخ چاہ رہی تھیں۔ دونوں طرف کی صورت حال کو پیش نظر رکھ کے بڑوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال نکاح کی رسم کر لی جائے۔ رباح اور تیسور کی شخصی تیسور کے اچھی طرح سیکل ہو جانے کے بعد اور میرب کی رخصتی اس کی پڑھائی کے ختم ہونے کے بعد طے پائی تھی۔

☆ ☆ ☆

”رباحا میں نے کل نہیں چیلری باکس پکڑائے تھے وہ کہاں رکھے ہیں۔“ عزیز ایک دفعہ پھر اتر تیزی میں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ باہر تائی امی اس سے چیلری باکس مانگ رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اندر کی طرف لپکی۔

”ادھر ہی دیکھ لو کہیں پڑا ہوگا۔“ اس نے لاپرواہی سے کہا۔

”ادھر دیکھنا ہوتا تو تم سے پوچھنا تھا تمہیں اس لیے پکڑا یا تھا کہ تم ادھر ادھر رکھ کے بھول جاؤ۔“ وہ اس پر بر سے لگی۔

”مزنہ! کھنچے کھر سے تمہیں ایک کام کہہ رکھا تمام تم پتہ نہیں کہاں پھر رہی ہو۔“ عذرت نے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے لٹا ڈالا۔

”میں نے رباح کو پکڑا تھا کل تو.....“  
”رباح کو پھوڑا اب کوئی کوم خود بھی کر لیا کرو۔ وہ تو پرانی ہوئی ہے۔ اب تمہیں دیکھنا ہے سب کچھ پچھتا پھوڑا اب غسل سے کام لینا سیکو۔“ وہ اس کی بات کاٹ کے تیز لپکے میں پڑیں۔

”میں دوسرے کمرے میں دیکھتی ہوں۔“ اس سے پہلے کہ ان کی ہتھیں طول پکڑیں وہ باہر کی

طرف لپکی۔

”تم کو کھر بے ہتھے تکل کی طرح بھاگی جا رہی ہو۔“ راستے میں ہی اس کا کتا رباح سے ہو گیا۔

”تم سے مطلب.....؟“ وہ پہلے ہی امی کی باتوں پر خار کھائے بیٹھی تھی۔ اس پر پڑھا دوڑی۔

”مطلب، مطلب تو ہمارے مجھ تک ہی آتے ہیں حزنہ ڈیڑا۔“ وہ بغور اس کا جائزہ کر بولا جو کام اور سی گرین کام والے سوٹ میں ملیں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

ہم رنگ چیلری اور دونوں کھانچوں میں مٹی چوڑیوں نے اس کی دلکشی میں حزیہ اضافہ کر دیا تھا۔ ہاں البتہ ماتھے پر تل جوں کے قوس موجود تھے۔

”غفلت باتیں مت کرو اور راستہ چھوڑ دو۔ مجھے بہت ضروری کام چلنے ہیں۔“ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

”ایک کام میرا بھی کرو۔“ اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔ شرر نظروں سے اسے دیکھا۔

”ہاں پھوڑو۔“ اس نے گویا جان چھڑائی۔ پتہ تھا وہ ایسے تو نہیں ملے گا۔

”کیا خیال ہے چاچا جان کی خیمیں کر کے انہیں نکاح پر راضی کر لیتے ہیں۔ اچھی بات ہے نہ خراج چاچا جائے گا اور ان کی بھی بچت ہو جائے گی۔“ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر بے حد شرارت سے بولا۔

”تو کروالو مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔“ اس نے بظاہر بے نیازی پر تھانچا ہی۔

”اس اوکے تو تمہاری طرف سے تو اقرار ہے۔“ وہ خوں ہوا۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ اس کی ساری تیزی طراری ہوا ہوئی۔

”یہ رباح بدلتی ہو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔“

کیسے گھورے جا رہا ہے۔“ اسے وہاں کھڑا ہونا محال لگ رہا تھا۔ وہ بھی اتنا ڈھیٹ تھا میں راستے میں کھڑا تھا۔

”دیسے یارا میں تو یہ سوچ سوچ کے پریشان ہو رہا ہوں کہ اگر چاچو یہ کہہ دیا کہ رخصتی حزنہ کی پڑھائی کے ختم ہونے پر ہوگی تو میں تو ساری عمر آپیں بھرتا رہوں گا۔ تین سال تو B.A میں لگ گئے آگے پتہ نہیں کیا ہوگا۔“ اپنی بات کے اہتمام یہ اس نے خود ہی تہہ بہ لگا تھا۔

”ہاں تو لے آؤ کوئی پڑھا کو، جیسا تو M.A پاس ہڈی روح۔“ زیادہ دیر خاموش رہنا اس کے لیے بھی محال تھا گلے کے بولی۔

”میر کیا کروں دل کو تو یہ بکلی بھائی ہے وہ کیا کہتے ہیں کہ دل آئے گدی پر تو پوری کیا چڑ ہے۔“ وہ ابھی بھی پچھڑے سے باز نہیں آیا تھا۔

”رباح..... تم.....“ اس نے راحت چکپکپائے۔

”بہت اچھے ہو۔ میں جانتا ہوں یار۔“ اس نے اس کی کیفیت سے حذا اٹھایا۔

”تم دونوں ادھر کیا کر رہے ہو۔ نیچے مولوی صاحب آئے ہیں نکاح ہونے والا ہے۔ چلو بیچے۔“ تھڑ بر بھنایا ہوا اور پر آیا تھا۔

”تم کیوں انکار سے چہا رہے ہو۔“ رافع نے اس کی صورت دیکھ کر پوچھا۔

”یارا یہ بڑوں کو میں نظر نہیں آتا سب کی فکر ہے سوائے میرے۔“ اس نے جے دل کے پچھو لے پھوڑے تو رافع کے ساتھ ساتھ حزنہ بھی مسکرا دی۔

”چل بیچے! نیچے چل جیبرا بھی بندوبست کرتے ہیں۔“ رافع نے اسے نیچے کی طرف دھکیلا اور خود بھی اس کے پیچھے چل پڑا حزنہ نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

نیچے لان میں تو گویا خوشیوں کی بارش اتری ہوئی تھی۔ تیسور کے پہلو میں رباح اور میر کے

پہلو میں میرب کو دیکھ کر اس کا دل بے انتہا خوشی سے لہر رہا ہو گیا تھا۔ ان سب کے جھگڑاتے چہرے دیکھ کر اس نے بے ساختہ ان کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا مانگی تھی۔

رباح کچھ پکڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حزنہ مسکرا کے اسے دیکھا اور پھر خود بھی اس کی طرف بڑھ گئی تاکہ تیسری جڑی بھی کپلیٹ ہو سکے۔

☆ ☆ ☆

### اچھی باتیں

☆ نماز خوف کی دلیل ہے یہ دل سے غیر اللہ کا خوف دور کرتی ہے۔ نماز اور حزنہ انسان کو آہستہ آہستہ پورا کردینے کی ضمانت ہے یہ اندر سے خالی انسانوں کو بھرنا شروع کر دیتی ہے۔

☆ نماز اللہ کی قربت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ نماز دنیا اور آخرت کے درمیان راہیہ کاٹتا ہے۔

☆ نماز دین کا ستون ہے۔

☆ عبادت جو مخلوق کے لیے کی جاتی ہے زمین میں دھنسا دیتی ہے اور عبادت جو خالق کے لیے کی جاتی آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔

☆ جس کا ظاہر باطن ایک ہے وہ عالم ہے جس کا باطن، ظاہر سے افضل ہے، وہ ولی اللہ ہے اور جس کا ظاہر باطن سے افضل ہے وہ جاہل و مکار ہے۔

☆ خوش حزانہ شخص وہ ہے جو دوسروں کو خوش حزانہ دے۔

☆ درد منی بادشاہت سے بہتر ہے بشرط یہ کہ دیا کا قتل شامل نہ ہو۔